www.mohaddis.com

309

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

مُحدّث

اپریل ۲۰۰۷ء

۲ 'خواتین دشمن رواجات بل' ایک جائزہ
۲۱ عقیدۂ عذاب قبر اور اس کی اہم تفصیلات
۶۲ غیر ممالک کی طرف سفر وسکونت کا شرعی حکم

مجلس التحقیق الاسلامی

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ
محدث
لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیرِ بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے   زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com   __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدّث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث

لاہور پاکستان

جلد ۳۹ / شمارہ ۴
ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
اپریل ۲۰۰۷ء

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر
حافظ حسن مدنی
0333-4213525

فہرست مضامین

فکر و نظر

خواتین دشمن رواجات بل: ایک تجزیہ — حافظ حسن مدنی — ۲

ایمان و عقائد

عقیدہ عذابِ قبر اور اسکی ضروری تفصیلات — محمد ارشد کمال — ۲۱

دار الافتاء

سجدہ سہو کی صورتیں، پانی کی ٹینکی میں چھپکلی — حافظ ثناء اللہ مدنی — ۴۲

تحقیق و تنقید

غناء جاریتین پر اشراقی اعتراضات — مولانا ارشاد الحق اثری — ۴۷

فقہ و اجتہاد

غیر ممالک میں سفر و سکونت کا شرعی حکم — محمد صالح العثیمین — ۶۲

مباحثہ علمیہ

مسجد اقصیٰ کی شرعی تولیت پر عمار ناصر اور حسن مدنی میں مراسلت — ۷۵

یاد رفتگان

مولانا عبدالغفار حسن کا سانحہ ارتحال — محمد اسحٰق بھٹی — ۹۲

عید میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے دو سوال — ۹۶

زر سالانہ ۲۰۰ روپے
فی شمارہ ۲۰ روپے

بیرونِ ملک
زر سالانہ ۲۰ ڈالر
فی شمارہ ۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ:
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
5866476
5866396
Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer
Shirkat Printing Press, Lahore

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

قومی اسمبلی میں چوہدری شجاعت حسین کا پیش کردہ

’بل برائے خواتین دشمن رواجات‘

اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک ’پاکستان‘ کی تاریخ میں گذشتہ سال اس لحاظ سے بدترین ہے کہ اس سال ۱۵/نومبر کو قومی اسمبلی اور ۲۲/نومبر کو سینٹ آف پاکستان نے قرآن وسنت سے صریح متصادم ایسے قانون کو منظور کرکے ملک بھر میں رائج کردیا جس کے خلافِ اسلام ہونے پر پاکستان بھر کے دینی حلقے یک آواز تھے۔ یہ ظالمانہ قانون اس اسمبلی سے پاس ہوا جس کی عمارت پر نمایاں الفاظ میں کلمہ طیبہ درج ہے، اس کے اراکین اور جملہ عہدیداران اسلام کے تحفظ کا حلف اُٹھاتے ہیں اور اس کے آئین میں خلافِ اسلام قانون سازی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس سعیٔ نامشکور میں مملکت کے اہم ترین عہدوں پر براجمان وہ شخصیات بھی شامل ہیں جنہیں یہ اہم ذمہ داری ’اسلام اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ‘ کی یقین دہانی کی بنا پر ہی تفویض ہوتی ہے۔

خواتین کے تحفظ کے نام پر بنائے گئے اس بل میں، جسے اب ایکٹ کا درجہ حاصل ہوچکا ہے، سب سے پہلے جرم کا اندراج کرانے والے شخص کو عدالتی کاروائی کا سامنا کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا پڑتا ہے۔اس ایکٹ کی رو سے سنگین جرائم کو پولیس کی دسترس سے نکال کر عوام کے جذبہ خیر واِصلاح کے سپرد کردیا گیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ صنفی امتیاز کے خاتمے کے لئے لایا جانے والا یہ قانون وطنِ عزیز میں صنفی امتیاز کی سب سے بڑی بنیاد ثابت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ظالمانہ ایکٹ کے منظور ہونے کے دن سے لے کر آج تک لاکھوں پاکستانی اس کے خلاف رائے شماری میں حصہ لے کر اس قانون سے اظہارِ برا ت کرچکے ہیں، دکانوں اور عام چوراہوں پر اس قانون کی تردید پر مبنی پوسٹرز اور ہینگرز عام نظر آتے ہیں۔اس قانون کو غلط قرار دینے والوں میں خواتین کی اکثریت کے علاوہ اہم عہدوں پر

www.KitaboSunnat.com

فائز شخصیات بھی شامل ہیں، اور تازہ اعداد وشمار کے مطابق اس کے خلاف دستخط کرنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے بھی تجاوز کر چکی ہے، جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ یہ ملکی تاریخ کا سب سے بڑا عوامی احتجاج ہے، جس کا سامنا اس غیر اسلامی قانون کو کرنا پڑ رہا ہے۔☆

قانون کی منظوری اور بحث مباحثہ کے دنوں میں ہی ملک کی نمائندہ علمی شخصیات نے حکومت کو اپنے تحفظات سے آگاہ کر دیا تھا۔ ہر مکتبِ فکر سے وابستہ علماے کرام نے بعض سینئر سیاستدانوں اور حکومتی ذمہ داروں سے ملاقاتوں میں کہا تھا کہ اگر حکومت تحفظِ خواتین کے سلسلے میں اقدامات کرنے میں سنجیدہ ہے تو (منظور شدہ) بل میں تو صرف زناکاروں کے حقوق⦿ کا تحفظ کیا گیا ہے، پاکستانی خواتین کے لئے تو اس میں کوئی ریلیف نہیں ہے اور پاکستانی خواتین سنگین معاشرتی مسائل کا شکار ہیں جن کے لئے کئی ایسے قانونی اقدامات کئے جاسکتے ہیں، جن سے ان کے مسائل کے خاتمے میں حقیقی مدد مل سکتی ہے لیکن نجانے کیوں ان مسائل سے صرفِ نظر کیا جا رہا ہے؟

اس موقع پر جہاں علمانے حقوقِ نسواں بل میں اصلاح کے لئے تین ابتدائی ترامیم✷ تجویز کی تھیں، وہاں خواتین کے اصلاحِ احوال کے لئے بھی متفقہ طور پر چھ تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ جس کے بعد چوہدری شجاعت حسین نے ملک بھر کے نمائندہ ان علماے کرام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر دو نوعیت کی تجاویز کو قانون سازی کے مرحلے میں لائیں گے۔ ان دِنوں حکومت، سینئر سیاستدانوں اور غیر سیاسی علماے کرام کے یہ مذاکرات جلی سرخیوں سے اخبارات میں شائع ہوئے اور حکومت نے عوام کو یہ بھی باور کرایا کہ علما حکومت کے پیش کردہ بل سے متفق ہوگئے ہیں، جبکہ حقیقی صورتحال اس سے بالکل برعکس تھی۔

جہاں تک ان ہر دو نوعیت کی تجاویز کا تعلق ہے تو حقوقِ نسواں بل سے متعلقہ پہلی تین

☆ جماعة الدعوة کی دستخطی مہم کی تفصیلات کے لئے دیکھئے: www.hudood.org

⦿ افسوسناک امر یہ ہے کہ اسلام میں بدکاری ایک سنگین جرم ہے جس پر فرمانِ نبویؐ کے مصداق اللہ تعالیٰ کو روئے زمین پر سب سے زیادہ غیرت آتی ہے، لیکن اس بل کا نام 'حقوقِ نسواں بل' رکھ کر اس فعل کو جرائم کے زمرے سے نکال کر حقوق میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اِنا للہ!

✷ حقوق نسواں بل میں علما کی پیش کردہ تین تجاویز کے متن کے لیے دیکھیں: محدث ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۵

www.KitaboSunnat.com

تجاویز میں سے کسی ایک کو بھی بل کی منظوری کے وقت درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا اور دوسری چھ تجاویز پر، جو درحقیقت طبقہ نسواں کے مسائل کے حقیقی حل کے حوالے سے پیش کی گئی تھیں، حکومت نے علماے کرام سے سودے بازی شروع کر دی۔ حکومت کا کہنا یہ تھا کہ علما ہمارے پیش کردہ حقوقِ نسواں بل کو بعینہٖ تسلیم کر لیں تو ہم ان چھ تجاویز کو بھی قانون میں شامل کر لیں گے، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

قارئین کو یہ بھی یاد ہوگا کہ حقوقِ نسواں بل کی منظوری کے وقت چوہدری شجاعت حسین نے قومی اسمبلی میں اپنا مشروط استعفیٰ بھی پیش کیا تھا جسے سپیکر نے اسی وقت واپس کر دیا۔ چوہدری صاحب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ۳۱ر دسمبر تک اس بل میں سے کوئی ایک بات بھی خلافِ اسلام ثابت ہو جائے تو وہ مستعفی ہو جائیں گے، لیکن ملک کے ممتاز علما، مثلاً مفتی منیب الرحمٰن، مولانا تقی عثمانی کے علاوہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی چھ رکنی علما کمیٹی کے متفقہ تفصیلی موقف اور شیعہ مکتبِ فکر کے مولانا حسین نقوی قمی کے بادلائل مضامین کے باوجود آج تک اُنہوں نے اپنا وعدہ ایفا نہیں کیا۔ ملک کے تمام مکاتبِ فکر کے ممتاز نمائندہ علما کے بعد اور کون سے وہ لوگ ہیں جن کے خلافِ اسلام قرار دینے کا چوہدری صاحب کو انتظار ہے؟

اب گذشتہ ماہ، فروری ۲۰۰۷ء میں چوہدری صاحب نے ان علما مذاکرات کے نتیجے میں تحریر کی جانے والی علما کی دوسری چھ متفقہ تجاویز کو بھی اسمبلی میں پیش کر دیا ہے، لیکن یہاں بھی اُنہوں نے یہ سیاسی چال کھیلی ہے کہ اس بل کو حکومتی پارٹی مسلم لیگ 'ق' کے پلیٹ فارم سے پیش کرنے کی بجائے اُنہوں نے اپنی ذاتی حیثیت سے بطورِ رکن اسمبلی پیش کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے، اس سے ان کی نیم دلانہ کوشش کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ چوہدری صاحب کا اس بل کو پیش کرنے کا مقصد اپنی اسلام پسندی کی گرتی ساکھ کو سنبھالا دینا اور علما سے کئے گئے وعدوں کی تکمیل کی طرف ایک قدم اُٹھانا ہے۔ یہ بل اس وقت ایوانِ اسمبلی میں زیر بحث آنے کا منتظر ہے۔ ہم یہاں اس 'خواتین دشمن رواجات بل' پر اپنا تبصرہ پیش کرتے ہیں۔

علما کی پیش کردہ چھ تجاویز کا متن

سب سے پہلے تو علما کی ان تجاویز کا اصل متن ملاحظہ ہو، جو ۱۰ ستمبر ۲۰۰۶ء کے اجلاس میں پیش کی گئیں اور جو موجودہ بل کا اصل محرک بنیں۔ یاد رہے کہ اس اجلاس میں چوہدری شجاعت

www.KitaboSunnat.com

حسین کے علاوہ وزیراعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی، سلیکٹ کمیٹی کے چیئرمین سردار نصراللہ دریشک اور وزارتِ قانون کے بعض ذمہ دار بھی موجود تھے۔دوسری طرف علماے کرام میں مولانا تقی عثمانی، ڈاکٹر سرفراز نعیمی، مفتی منیب الرحمٰن، مولانا زاہد الراشدی، مولانا حسن جان، مفتی غلام الرحمٰن اور قاری حنیف جالندھری وغیرہ شامل تھے۔علما کی پیش کردہ تجاویز کا متن یہ ہے:

''اگر حکومت واقعی پاکستان میں خواتین کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے عملی پیش رفت کرنا چاہتی ہے تو اسے مندرجہ ذیل قانونی اقدامات کرنے چاہئیں:

① خواتین کو عملاً وراثت میں عام طور پر محروم رکھا جاتا ہے،اس کے سدِباب کے لئے مستقل قانون بنایا جائے۔

② بعض علاقوں میں خواتین کو ان کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کیا جاتا ہے، اس کی روک تھام کے لئے قانون سازی کی جائے اور اسے قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔

③ بیک وقت تین طلاقیں دینے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اور ایسی دستاویز لکھنے والے نوٹری پبلک اور وثیقہ نویس کو بھی شریکِ جرم قرار دیا جائے۔

④ قرآن کے ساتھ نکاح کی مذموم رسم کا سدباب کیا جائے۔

⑤ جبری وٹہ سٹہ یعنی نکاحِ شغار کو قانوناً جرم قرار دیا جائے۔

⑥ عورتوں کی خرید وفروخت اور اُنہیں میراث بنانے کے غیر شرعی رواج اور رسوم☆ کا قانوناً

☆ علما کی طرف سے یہ چند اہم تجاویز ہیں وگرنہ خواتین کے حوالے سے پاکستانی معاشرہ میں اصلاحِ احوال کی مزید کئی پہلوؤں سے بھی اشد ضرورت ہے۔کیونکہ پاکستانی معاشرہ تاریخی طور پر ہندو معاشرت سے متاثر ہونے کے باعث ابھی تک حقیقی اسلامی معاشرہ سے بہت دور ہے۔ان تجاویز میں بعض حسبِ ذیل ہیں:

ا۔خواتین مخالف بعض دیگر رسوم کا بھی خاتمہ کیا جائے، مثلاً پختونوں کی ایک رسم وَلْوَر جس میں شادی کے موقع پر لڑکے کو لڑکی کے اہل خانہ کو بڑی رقم دینا ہوتی ہے، جس کے بعد وہ لڑکی گویا لڑکے کے خاندان کی ہی ہوجاتی ہے اور لڑکی کے خاندان والے اس سے میل ملاقات سے بھی گریز کرتے ہیں۔

۲۔شادی بیاہ کی غلط رسوم کا خاتمہ جس میں جہیز کا خاتمہ، بارات یا سسرال کے لئے بیش قیمت تحائف وغیرہ

۳۔تعلیم وتربیت میں لڑکے رلڑکیوں میں ترجیح کا خاتمہ، شوہر کی طرف سے بے جا تشدد وغیرہ

ان غیر اسلامی رجحانات کے خاتمے کے لئے سزاؤں کے علاوہ تعلیم اور میڈیا میں عوامی رویوں کی اصلاح کی کوششیں کی جائیں اور قومی میڈیا کو محض تفریح کی بجائے بامقصد قومی اصلاح کے لئے استعمال کیا جائے۔

www.KitaboSunnat.com

سدباب کیا جائے۔"

بل پر تبصرہ

اب ان تجاویز کو قومی اسمبلی میں 'خواتین دشمن رواجات بل' کے نام سے پیش کیا گیا ہے، اس بل کے مکمل مندرجات مضمون کے آخر میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ چونکہ اس بل پر اسمبلی میں کس وقت بھی بحث ہوسکتی ہے، اس لئے قارئین کو ضروری حقائق سے آگاہ ہونا چاہئے:

1 اوّل تو اس بل میں یہ امر قابل غور ہے کہ وعدے کے باوجود علماے کرام کے پیش کردہ چھ میں سے محض تین نکات کو اس میں شامل کیا گیا ہے اور نکتہ نمبر ۳، ۵ اور ۶ کو سرے سے ہی حذف کردیا گیا ہے۔ نکتہ نمبر ۳ میں درج بیک وقت طلاقِ ثلاثہ ہمارے معاشرے کا ایک گمبھیر مسئلہ ہے، جس کی بنیاد شرعی موقف کی بجائے زیادہ تر وثیقہ نویسوں کی تحریریں بنتی ہیں۔ ملک کے معتمد ترین علما نے بھی یہ قرار دیا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا سنگین جرم☆ ہے جس کی سزا مقرر ہونی چاہئے۔ یہی صورتحال نکتہ نمبر ۵ میں موجود نکاحِ شغار (وٹہ سٹہ) کے بارے میں بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فرامین کی رو سے ایسا نکاح حرام ہے کیونکہ اس سے بے شمار معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں، جس کا خمیازہ ہردوطرف سے آخر کار عورت کو ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اس کو قانون سازی سے خارج کرنے کی کوئی وجہ اس کے سوا سمجھ نہیں آتی کہ اس پر سزا کے اجرا سے ملک میں اسلامی قانون کی طرف ایک مثبت پیش رفت ہوتی اور ملک کا اسلامی تشخص اُجاگر ہوتا ہے۔ یہی صورتحال عورتوں کی خرید وفروخت کے بارے میں بھی ہے کہ یہ

☆ اسی تناظر میں دو ماہ قبل محدث میں 'طلاقِ ثلاثہ' پر ایک تفصیلی مضمون بھی شائع کیا گیا تھا اور یہی تجویز اس مضمون کو شائع کرنے کی بنیادی وجہ بنی تھی۔ (دیکھئے 'محدث' شمارۂ نومبر اور دسمبر ۲۰۰۶ء)

◉ وَنی کی رسم یہ ہے کہ قتل کے بدلے میں قاتل کے خاندان یا قبیلہ کی کسی لڑکی کا مطالبہ کیا جائے اور لڑکی کی مرضی کے بغیر اس کی شادی مقتول کے خاندان کے کسی فرد سے (چاہے وہ بے جوڑ ہی ہو) کردی جائے۔ چونکہ اس شادی کے پیچھے ایک قتل کارفرما ہوتا ہے، اسلئے مقتول کے خاندان میں اس لڑکی کو شدید ظلم بلکہ غلامی جیسے حالات کا سامنا کرتا پڑتا ہے۔ صوبہ پنجاب کے بعض علاقوں میں پائی جانے والی یہ رسم 'ونی'، اندرونِ سندھ میں سَام اور صوبہ سرحد میں سوَرَا کہلاتی ہے، جس پر کچھ عرصہ قبل سرحد کی صوبائی حکومت نے پابندی عائد کر دی ہے۔ واقعہ کی سنگینی کے پیش نظر بعض اوقات لڑکی کو بلا نکاح ہی مخالف کی تحویل میں بھی دے دیا جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ایک انتہائی مکروہ اقدام ہے کہ عورت کو مال وزَر اور ڈھوڈنگر کی طرح فروخت کیا جائے۔

❷ اس بل میں بعض باتیں ابھی مزید اصلاح طلب ہیں، مثال کے طور پر کسی عورت کو بدلِ صلح یا ونی◉ کی رسم کی بھینٹ چڑھانے کی سزا زیادہ سے زیادہ تین سال قید یا کوئی بھی جرمانہ تجویز کی گئی ہے، یہ سزا جرم کی سنگینی کے بالمقابل کافی کم معلوم ہوتی ہے۔ اس سزا کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنے یا اسے بلا نکاح مخالفوں کے حوالے کردینے کے باوجود مجرم کو محض دو ماہ سزا اور ۵ صد روپے جرمانہ کی سزا دینا بھی گوارا کیا جاسکتا ہے۔ جرم کی نوعیت کے مطابق اس کی سزا میں اضافہ کی شدید ضرورت ہے۔ سزا کی کمی کی یہی صورتِ حال قرآن کے ساتھ شادی☆ اور جبری شادی کروانے کی صورت میں بھی ہے۔

دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ چوہدری صاحب کی نظر میں عورت کو وراثت سے اپنا حصہ وصول کرنے سے روکنا تو سنگین تر جرم ہے، جس کی سزا ۷ برس تک یا جرمانہ یا دونوں ہوسکتی ہیں، جبکہ مذکورہ بالا تینوں جرائم کی سنگینی ان سے کہیں زیادہ ہے۔ گویا ان کی نظر میں عورت کے مالی استحقاق پر دست درازی اس کو زندگی بھر غلام بنانا یا مخالفین کے سپرد کرنے کے مقابلے میں زیادہ سنگین امر ہے۔ غرض ان جرائم کی سزاؤں پر نظرثانی کی اشد ضرورت ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ اسمبلیوں میں بیٹھے بعض جاگیرداروں اور وڈیروں کو رعایت دینے کے لئے ان جرائم کی سزا کم رکھی گئی ہے کیونکہ ان جرائم میں عموماً ایسے بااثر افراد ہی ملوث ہوتے ہیں۔

☜ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حالیہ بل کی ۴۹۸ ج کی شق نمبر ۲ کے تحت عورت کا باقی ماندہ زندگی میں شادی نہ کرنے، وراثت میں اپنے حصہ کا دعویٰ نہ کرنے کے حلف وغیرہ

☆ یہ رسم صوبہ سندھ میں پائی جاتی ہے جس کے تحت لڑکی کو خاندان میں مناسب رشتہ نہ ملنے یا جائیداد میں اس کا وراثتی حق نہ دینے کی نیت سے اس کا قرآن کے ساتھ معاہدہ کرادیا جاتا ہے۔ لڑکی کو باقاعدہ دلہن بنا کر قرآن کے ساتھ بٹھا کر معاہدہ ہوتا ہے جس کے تحت اسے باقی زندگی ایک راہبہ کی طرح خاموش اور دنیا کی دلچسپیوں سے ہٹ کر گزارنا ہوتی ہے۔ بعض تحقیقات سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ یہ رسم عملاً اب متروک ہو چکی ہے۔ یاد رہے کہ مذکورہ بالا خواتین مخالف رسوم مختلف شکلوں میں پائی تو جاتی ہیں لیکن ایسے واقعات کی تعداد اُس سے کہیں کم ہے جنہیں مغرب کے فنڈز پر پلنے والی این جی اوز اپنے فنڈز میں اضافے کے لئے بڑھا چڑھا کر پیش کرتیں اور ملک کو عالمی سطح پر بدنام کرانے کا مکروہ کردار ادا کرتی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

کو قرآن پاک سے شادی' سے تعبیر کیا جائے گا۔ ان جرائم کا یہ نام مناسب نہیں۔ اسم اور مسمیٰ میں ایسی مناسبت کا پایا جانا ضروری ہے کہ اسم بول کر مسمیٰ کی طرف ازخود ذہن مائل ہوجائے۔ ان جرائم کو ان واقعات میں پائے جانے والے مظالم سے ہی منسوب کرنا قرین قیاس ہے، وگرنہ ان جرائم کے لئے یہ اصطلاح خلطِ مبحث کو جنم دے گی، بالخصوص اس وقت بھی جبکہ اس اصطلاح کے تحت آنے والے بعض جرائم، مثلاً عورت کو وراثت سے روکنا اور دیگر جرائم کی سزاؤں میں بھی واضح فرق موجود ہے۔

٣ اس بل کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ علما کی تجویز پر جاری ہونے والے اس بل میں اسی خلافِ اسلام قانون سازی اور صنفی امتیاز کو دوبارہ شامل کردیا گیا ہے، جن کے خاتمے کے لئے علماے کرام پہلے دن سے کوشاں رہے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

'حقوقِ نسواں ایکٹ ٢٠٠٦ء' کا حاصل یہ ہے کہ اس کے ذریعے زنا کے دیگر جرائم کی سزا کو عملاً معطل کیا گیا اور اُن پر عمل درآمد کے تمام راستے مسدود کردیے گئے ہیں۔ اس بل کے ذریعے زنا کی رپورٹ کرنے والے کو فوری سزا ملنے کے امکانات تو کافی قوی ہیں، البتہ زنا کے مجرموں کو ہر ممکنہ چھوٹ میسر کردی گئی ہے۔ جبکہ اس بل میں زنا بالجبر کی سزا کو زیادہ سے زیادہ سنگین بنانے کی کوشش کی گئی تھی، اور اس پر عمل درآمد کے دوران جو جو رکاوٹیں پیدا ہونے کا اِمکان تھا، ان کو اس بھونڈے انداز میں ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ یہ قانون ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام آباد میں اس کے تحت درج ہونے والے زنا بالجبر کے پہلے مقدمہ نے ہی اس قانون کی عملی صورتحال کے متعلق سنگین سوالات پیدا کردیے۔ اس بل میں زنا بالجبر کو قابل عمل بنانے کی وجہ یہ تھی کہ اس جرم میں عورت کو سزا سے مستثنیٰ کیا گیا اور اکیلا مرد ہی مجرم قرار پاتا ہے۔ غالباً اس ایکٹ کے عنوان 'تحفظِ نسواں بل' کا عملی تقاضا بھی یہی تھا۔

موجودہ 'خواتین دشمن رواجات بل' میں 'تحفظ حقوقِ نسواں ایکٹ' سے حاصل ہونے والے اسی اکلوتے نتیجے یعنی زنا بالجبر کی سزا کو صوبہ جات بالخصوص صوبہ سرحد وبلوچستان میں جہاں متحدہ مجلس عمل اقتدار میں ہے، قابل نفاذ بنانے کے لئے ترمیم نمبر۴ کو متعارف کرایا گیا ہے جس کا متن یہ ہے:

www.KitaboSunnat.com

''۴۰۲د: صوبائی حکومت زنا بالجبر کی سزاؤں میں مداخلت نہیں کرے گی: باوجود اس امر کے کہ دفعہ ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۲ ب میں کوئی چیز مذکور ہو، صوبائی حکومت مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۳۷۶ کے تحت دی گئی کسی سزا کو معطل، معاف یا کم نہیں کر سکے گی۔''

یاد رہے کہ اس سے پہلے 'تحفظِ حقوق نسواں بل' کی ترمیم نمبر ۱۸ کے ذریعے حدود آرڈیننس کی دفعہ ۲۰ کی اُس شق ۵ کو منسوخ کردیا گیا تھا جس میں یہ تھا کہ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء میں درج سزاؤں کو کوئی معاف نہیں کرسکے گا۔ اس ترمیم نمبر ۱۸ سے ایک طرف حدود آرڈیننس کی باقی ماندہ دو دفعات کو ماتحت کرنے کا مقصد پورا کیا گیا تو دوسری طرف خود ساختہ زنا بالجبر کی سزا کو وہی شرعی سزاؤں والی برتر حیثیت دینے کے لئے مذکورہ بالا ترمیم (نمبر۴) لانے کی ضرورت باقی تھی تاکہ زنا بالجبر (دفعہ ۳۷۶) کی سزا، جو 'تحفظِ حقوقِ نسواں بل' کا حاصل اور مآل کار ہے، کو تمام دیگر قوانین اور اختیارات پر برتری حاصل ہوجائے اور ملک بھر میں اس کے اِجرا میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

یہ امر آئین پاکستان کی دفعہ ۲۲۷/ا ے، تمام عہدوں کے لئے، لئے جانے حلف اور قرآن مجید کی آیت (النساء: ۶۵) کے صریح خلاف ہے کہ قرآن اور نبی کریم ﷺ کے فرامین کو ان کے اُمتیوں کے خود ساختہ قوانین کے ماتحت کردیا جائے، پھر یہ بات اس سے بھی سنگین تر ہے کہ ان خود ساختہ قوانین کو شرعی قوانین پر ہر نوعیت کی برتری بھی دے دی جائے۔ یہ ترمیم نہ صرف اسلامی تقاضوں سے انحراف بلکہ صوبائی حکومتوں کے اختیارات پر بھی ڈاکہ ہے۔ چوہدری شجاعت حسین صاحب سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر اُنہیں اسلامی قوانین برقرار رکھوانے کی صلاحیت میسر نہیں تو پھر کم ازکم وہ اسلام مخالف قوانین کو اسمبلی سے منظور کروانے کی کوشش تو نہ کریں۔ ایسے اقدامات ان کی گرتی ہوئی دینی ساکھ کو مزید ناقابل تلافی نقصان پہنچائیں گے۔

④ بل کی ترمیم نمبر۳ کے ذریعے اضافہ کی جانے والی دفعہ ۴۹۸ د کا متن ملاحظہ ہو:

''لعان کے طریق کار کے زیر کارروائی خاوند کی غیر حاضری میں فسخ نکاح وغیرہ: ① باوجود اس امر کے، کہ کوئی چیز جرم قذف (نفاذِ حد) آرڈیننس ۱۹۷۹ء (نمبر ۸ مجریہ ۱۹۷۹ء) کی دفعہ ۱۴ میں، اور انفساخِ مسلم نکاح جات ایکٹ ۱۹۳۹ء (نمبر ۸ مجریہ ۱۹۳۹ء) کے علاوہ مذکور ہو، جہاں خاوند کو قذف کے لئے کورٹ میں اپنی بیوی کی شکایت یا رپورٹ، اس کی غیر حاضری یا

www.KitaboSunnat.com

بصورتِ دیگر مذکورہ دفعہ میں صراحت کردہ لعان کے طریق کار میں زیر کارروائی ہونے میں ناکامی ہوتی ہو، یہ بیوی کے لئے مجاز کورٹ کی وساطت سے اپنے نکاح کے انفساخ حاصل کرنے کے لئے جائز بنیاد ہوگی اور خاوند کو قذف کی سزا بھی دی جائے گی۔''

سادہ الفاظ میں اس ترمیم کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خاوند لعان کی کاروائی کے دوران بیوی کی غیر حاضری، شواہد کی عدمِ فراہمی یا قذف آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء کی دفعہ ۱۴ میں درج طریقہ کار کے مطابق کسی بنیاد پر لعان کی سزا دلوانے میں ناکام رہتا ہے تو یہ امر بیوی کے لئے نہ صرف مجاز کورٹ سے انفساخِ نکاح کی جائز بنیاد ہوگا بلکہ شوہر کے لئے قذف کی سزا کا موجب بھی ہوگا۔

زیرنظر بل کی یہ دفعات دراصل تحفظِ حقوق نسواں ایکٹ کا تتمہ ہیں، اگر بعض صنفی امتیازات اور صریح ناانصافیاں پہلے قانون سازی میں آنے سے بچ گئی تھیں تو اب ان کو اس بل کے ذریعے پورا کیا جارہا ہے۔ حد قذف آرڈیننس ۱۹۷۹ء کی دفعہ نمبر ۱۴ میں یہ تھا کہ اگر خاوند اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگاتا ہے تو یہ لعان کا کیس شمار ہوگا جس کے بعد سورۃ النور کی آیت نمبر ۶ تا ۹ میں درج شدہ طریقہ کار کو پیش کیا گیا۔ مناسب ہوگا کہ اس دفعہ کے مکمل متن کو یہاں ذکر کردیا جائے کیونکہ ہمارے آخری دونوں تبصرے اسی حوالے سے ہیں:

''دفعہ ۱۴: جب کوئی شخص ایک عدالت کے سامنے اپنی محصنہ بیوی کے بارے میں ایسا الزام لگائے گا جو زنا کی دفعہ ۵ کے تحت آتا ہے اور اس کی بیوی اس الزام کو درست تسلیم کرنے سے انکار کردے تو لعان کے بارے میں درج ذیل طریقہ کار قابل اطلاق ہوگا:

① (الف) شوہر حلف اُٹھا کر عدالت کے سامنے کہے گا کہ

''میں اللہ کی قسم اُٹھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگاتے ہوئے یقین رکھتا ہوں کہ میں سچا ہوں (بیوی کا نام لے گا) اور جب وہ چار مرتبہ یہ دہرائے گا تو پھر کہے گا: ''مجھ پر اللہ کی لعنت ہو، اگر میں جھوٹا ہوں اور میرا اپنی بیوی (نام لے کر) پر زنا کا الزام جھوٹا ہو، اور (ب) اس کے جواب میں، بیوی شوہر کے بیان پر دفعہ (الف) کے مطابق عدالت کے سامنے کہے گی کہ ''میں اللہ کی قسم اُٹھاتی ہوں کہ میرا شوہر یقیناً مجھ پر زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔'' اور جب وہ چار مرتبہ یہ قسم اُٹھائے گی تو کہے گی کہ ''اگر میرا شوہر مجھ پر زنا کے

www.KitaboSunnat.com

الزام میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔''

② جب ذیلی دفعہ'۱' میں بیان کیا گیا طریقہ کار پورا ہو جائے گا تو عدالت ایک حکم کے ذریعے دونوں کے درمیان نکاح کے ختم ہونے کا اعلان کرے گی۔ اس حکم کو شادی کے خاتمے کا حتمی حکم سمجھا جائے گا اور اس کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکے گی۔

③ جہاں شوہر یا اس کی بیوی ذیلی دفعہ'۱' میں دیئے گئے طریقہ کار کے مطابق تیار نہ ہوں گے تو شوہر یا بیوی کو قید کر دیا جائے گا حتیٰ کہ

الف) شوہر کی صورت میں جب اس نے بیان کئے گئے طریقے پر عمل کرنے کی رضا مندی ظاہر کر دی ہو یا

ب) بیوی کے معاملے میں، جب اس نے بیان کئے گئے طریقے پر عمل درآمد کے لئے رضا مندی ظاہر کر دی ہو یا شوہر کا الزام درست تسلیم کر لیا ہو۔

④ جس بیوی نے شوہر کا الزام تسلیم کر لیا ہو، اس پر زنا کی وہ سزا دی جائے گی جس میں حد جاری ہوتی ہے، جیسا کہ حدود کے نفاذ میں 'زنا آرڈی ننس' میں یہ سزا مذکور ہے۔''

تبصرہ: ذیلی دفعہ ۳ میں ہے کہ اگر لعان کی کاروائی میں شوہر یا بیوی کوئی ایک تعطل ڈالے تو اسے اس وقت تک قید میں ڈال دیا جائے جب تک وہ کاروائی مکمل کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ پہلے 'حقوقِ نسواں ایکٹ ۲۰۰۶ء' کی ترمیم نمبر ۲۵ نے اس دفعہ ۳ اور ۴ کو منسوخ کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لعان کی کاروائی عملاً معطل ہوگئی کیونکہ اگر کوئی شوہر بیوی پر لعان کا الزام لگا کر کاروائی کو معلق رکھ دے تو بیوی معلق رہے گی اور اس کے لئے یہ الزام ذہنی اذیت کا باعث بنا رہے گا۔ چنانچہ اس ترمیم کے ذریعے عورتوں کو رعایت ملنے کی بجائے ان کی مشکل میں مزید اضافہ کر دیا گیا تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مرد کو الزام لگانے کے بعد اس الزام کے شرعی تقاضے پورا کرنے کا پابند بنایا جاتا، وگرنہ وہ سزا کا سامنا کرتا، جیسا کہ منسوخ شدہ دفعہ میں تھا، لیکن چونکہ اس طرح لعان کے اسلامی تصور کی طرف پیش قدمی ہوتی ہے جو سیکولر ماہرین قانون کے لئے گوارا نہیں، اس لئے غلط ترمیم کی اصلاح کی بجائے اب 'خواتین دشمن رواجات بل' کے ذریعے ایک مزید قدم یہ اُٹھایا گیا کہ اگر کسی بنا پر لعان کی کاروائی مکمل نہیں ہو پاتی جس میں

www.KitaboSunnat.com

بیوی کی غیر حاضری بھی شامل ہے تو اس صورت میں بیوی محض اسی بنا پر مجاز کورٹ سے طلاق کی اجازت حاصل کر کے شوہر پر قذف کی سزا بھی عائد کرا سکتی ہے، یاد رہے کہ قذف کی اب ترمیم شدہ سزا ۵ سال قید اور ۱۰ ہزار روپے جرمانہ ہے۔

یہ قانون سازی کس طرح اسلامی تقاضوں کے مطابق ہے؟ قانون کا مقصد کیا رشتوں کو جوڑنا ہونا چاہیے یا اُنہیں علیحدگی کی ترغیب دینا اور جھگڑے کے حالات پیدا کرنا ؟ مزید برآں یہ ترمیم مزید صنفی امتیاز کی بھی ایک سنگین مثال ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بدکردار بیوی پر الزامِ زنا لگائے تو بیوی بڑی آسانی سے خود غیر حاضر رہ کر شوہر کو دو طرح کے نتائج سے دوچار کرسکتی ہے۔ اوّل تو شوہر کا یہ الزام آخرکار بیوی کے لئے مجاز کورٹ سے طلاق حاصل کر لینے کی جائز بنیاد قرار پائے گا۔ مزید برآں شوہر کو اس الزام کا خمیازہ یہ بھی بھگتنا پڑے گا کہ اسے حدِقذف سے دوچار ہونا ہوگا۔

اسلام نے شوہر کو عام مردوں کے بالمقابل لعان کے ذریعے ایک اضافی استحقاق دیا ہے کہ ایک عام مسلمان کے برعکس عورت پر الزام لگانے والا اگر اس کا شوہر ہے تو ایسا شوہر چار گواہوں کی بجائے چار قسمیں کھا کر بھی اپنے دعوے پر برقرار رہ سکتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں لعان کا منشا یہ ہے کہ اس طرح شوہر اپنے مشکوک بچے کی ولدیت اور ذمہ داری سے بری ہوسکے۔ جبکہ حالیہ قانون سازی کے ذریعے شوہر کو یہ رعایت ملنے کی بجائے اس پر حد قذف کا اجرا کر کے اسے ہراساں کیا جارہا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ عملاً لعان کا اسلامی تصور سرے سے ناقابل عمل قرار پائے گا، کیونکہ شوہر کے الزام کے بعد ہردوفریق کو قانونی طور پر تو کاروائی شروع کرنے کی کوئی پابندی موجود نہیں، البتہ بیوی کو تنسیخ نکاح کا سرٹیفکیٹ اور شوہر کو حد قذف کا ڈراوا ضرور موجود ہے۔ یہ شق اسلام سے صریحاً متصادم اور صنفی امتیاز کی بنیاد ہے!

یہ تو اس شق کی قانونی صورتحال ہے، لیکن اس قانون سازی کا معاشرتی نتیجہ یہ نکلے گا کہ شوہروں کے اپنی بیویوں پر الزامِ زنا لگانے میں عملاً اضافہ ہوگا کیونکہ عام پاکستانی عورت ان قانونی جھمیلوں سے بہت دور ہے، اسے اپنے شوہر کو سزا دلوانے کی بجائے اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں زیادہ دلچسپی ہے کیونکہ ہمارے معاشرے میں شادی شدہ عورت کا دوبارہ

www.KitaboSunnat.com

نکاح بھی ایک سنگین مسئلہ ہے۔اس لئے عملاً اس شق سے خواتین کوتحفظ ملنے کی بجائے ان کی ذہنی اذیت میں مزید اضافہ ہی ہوگا۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہےتو اسلام میں اس کا بڑا بہترین حل موجود ہے۔کیونکہ اسلام کی رو سے اگرکوئی مرد اپنی بیوی پر الزامِ زنا عائد کرے تو اس کے لئے باقی ماندہ زندگی اس بیوی کے ساتھ بسر کرنا کسی طور ممکن نہیں رہتا۔ بیوی پر الزام لگانے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو لعان کے بعد بیوی کے اعتراف کی صورت میں شادی شدہ بیوی کو سنگسار کر دیا جائے یا عدمِ اعتراف کی صورت میں دونوں میں دائمی جدائی کرا دی جائے۔ افسوس کہ مسلمان اسلام کے ایسے بہترین قانون سے جس میں طبقہ نسواں کی حقیقی بھلائی موجود ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی پر الزام سوچ سمجھ کر ہی لگائے، خود ہی دستبردار ہونے پر تلے بیٹھے ہیں۔

❺ ترمیم نمبر۳ کی آخری شق ۴۹۸ھ بھی صنفی امتیاز کی ایک اور مثال اور عدل وانصاف کی خودساختہ میزان ہے۔جس کا متن یہ ہے کہ ''جہاں بیوی لعان کی زیر کاروائی زنا کا اعتراف کرتی ہےتو وہ زنا کے استغاثہ کا موجب ہوگی۔''

اوپر درج کردہ دفعہ نمبر۱۴ کی ذیلی شق۴ میں یہ ہے کہ

''جو بیوی دورانِ لعان اعتراف کرلے، اس پر حدزنا جاری کی جائے گی۔''

'تحفظِ حقوقِ نسواں ایکٹ ۲۰۰۶ء' کی ترمیم نمبر۲۵ کے ذریعے اس ذیلی شق کو منسوخ کرکے اب 'خواتین دشمن رواجات بل ۲۰۰۷ء' کے ذریعے اس کا متبادل یہ لایا جارہا ہے کہ عورت کا ایسا اعتراف زنا کی سزا جاری ہونے کی بجائے زنا کے کیس کا نقطہ آغاز ہوگا۔

ابھی اس سے قبل دفعہ '۴۹۸رد' گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ لعان کی کاروائی میں رکاوٹ ہونے کی بنا پر ''شوہر کو حدقذف کی سزا بھی دی جائے گی۔'' توجہ فرمائیے کہ شوہر کو سزا دینے کا مرحلہ ہوتو کوئی کوتاہی بھی سزا دینے کی قانونی وجہ بن سکتی ہے، البتہ جب عورت کو سزا دینے کی بات ہوتو اس کا اعتراف بھی سزا دینے کی بنیاد کی بجائے کیس شروع کرنے کی بنیاد قرار پائے گا تاکہ اس دوران عورت اگر چاہے تو اس اعتراف سے رجوع کرکے سزا سے استثنا حاصل کرلے۔ یہ ہے عدل وانصاف کی خودساختہ میزان اور صنفی امتیاز کی ایک اور مثال، جسے قانون

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعے مستقل طور پر رواج دیا جارہا ہے۔ قانون کو ان امتیازات کا خاتمہ کرنا چاہیئے نہ کہ خود ایسے امتیازات کی بنیاد بننا چاہیئے......!!

جہاں تک اس ترمیم کے بارے میں اسلامی موقف کا تعلق ہے تو یہ امر درست ہے کہ زنا کے کیس میں ملزم کا اعتراف ہی کافی نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ نے بھی ایسے واقعات میں اعتراف کرنے والوں سے بہ تکرار تصدیق طلب کی۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۱، ۱۶۹۵) ایسے ہی حضرت علیؓ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں اعتراف کرنے والی عورت 'شراحہ' سے بار بار تصدیق چاہی۔ (مسند احمد ۱۱۲۹، ۸۹۷، صحیح بخاری: ۶۳۱۴) البتہ لعان کے سلسلے میں چونکہ معاملہ باقاعدہ اللہ کے نام پر حلف لینے کا ہے اور شوہر، بیوی سے یہ حلف مقابلتاً لیا جائے گا، اس لئے لعان کی صورت میں عورت کا محض اعتراف ہی اسے زنا کی سزا سے دوچار کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ واللہ اعلم

بل سے مطلوب 'سیاسی اہداف'

ان خلافِ اسلام ترامیم کو لانے کا بظاہر مقصد یہ ہے کہ

مذکورہ بالا ترامیم گو کہ کامل نہیں اور ان میں بعض اصلاحات کی شدید ضرورت ہے، لیکن ایک جزوی مثبت پیش رفت ہونے کے ناطے متحدہ مجلس عمل اگر ان کی منظوری کے لئے ووٹ ڈالتی ہے، تو اس سے ازخود 'تحفظِ حقوقِ نسواں ایکٹ' کو اور مزید خلافِ اسلام ترامیم کو بھی قانونی تحفظ اور عملی صلاحیت حاصل ہوجائے گی۔ اور اگر وہ ان خلافِ اسلام ترامیم کی بنا پر اس بل کے حق میں ووٹ ڈالنے سے گریز کرتی ہے تو اس صورت میں طبقہ نسواں کے اصلاحِ احوال میں مطلوبہ پیش رفت نہ ہوگی۔ گویا ہر دو صورت میں اس بل کے ذریعے اسلام اور پاکستانی معاشرے کو ہی نقصان پہنچتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ بل منظور نہیں ہوتا تو تب مثبت جزوی پیش رفت نہ ہونا بھی ایک نقصان ہے اور اگر یہ منظور ہوجاتا ہے تو خلافِ اسلام ترامیم کی منظوری سے بھی شریعتِ اسلامیہ پر حرف آتا ہے۔

مزید برآں مذکورہ بالا آخری دو ترامیم کے تجزیے سے بخوبی یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کا اضافہ اس بل میں مسئلہ کو مزید اُلجھانے اور مجلس عمل سے سودے بازی کے لئے کیا گیا ہے، کیونکہ نہ تو بل کے عنوان سے ان کی کوئی مناسبت ہے اور نہ ہی شق نمبر ۲ اور ۳ میں مندرج

www.KitaboSunnat.com

ترامیم اور ترمیم نمبر ۳ اور ۴ میں کوئی داخلی مماثلت پائی جاتی ہے۔ آسان الفاظ میں یہ بل ایک سیاسی ہتھکنڈے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا جس سے چوہدری صاحب ایک طرف علما کے سامنے اپنے وعدے میں جزوی طور پر سچے ثابت ہونا اور اپنی اسلام دوستی کا ٹوٹا بھرم پھر سے جوڑنا چاہتے ہیں، دوسری طرف 'خواتین دشمن رواجات' کے خاتمے کے نام پر طبقہ خواتین کی ہمدردی سے بھی ہاتھ نہیں دھونا چاہتے اور 'حقوقِ نسواں ایکٹ' کو تحفظ بلکہ توسیع دے کر پرویز مشرف کی حکومتی تائید بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ عملاً یہ بل سیاسی سودے بازی کی ایک حیلہ گری تو ہے، لیکن خواتین کے حقیقی مسائل اور عملی قانون سازی کی طرف کوئی پیش قدمی اس میں نہیں پائی جاتی!!

زیر نظر حالیہ بل پر تبصرہ اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ یہ سابقہ حقوقِ نسواں ایکٹ کا ہی ایک تتمہ ہے، اور اس بل کے پیش ہونے کے دن سے اس پر کوئی جامع تبصرہ سامنے نہیں آیا۔ مستقبل میں جب بھی 'حقوقِ نسواں ایکٹ' کو کسی عدالت میں چیلنج کیا جائے گا تو اس کے تتمہ کو بھی زیر بحث لایا جائے گا، اس سلسلے میں علمائے کرام کا موقف واضح ہونا چاہیے اور اگر یہ اسمبلی میں پیش ہو، تو ان خدشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہی اس پر رائے زنی کی جانی چاہیے۔

یاد رہے کہ 'خواتین دشمن رواجات' میں سے قتل غیرت کے بارے میں نومبر ۲۰۰۴ء میں قانون سازی کی گئی تھی، اس موقعہ پر راقم نے بڑی تفصیل سے قتل غیرت کی سزا کے بارے میں پائے جانے والے مختلف آرا کا تجزیہ کرتے ہوئے 'محدث' میں شریعت اسلامیہ کا موقف پیش کیا تھا، پھر حدود اللہ کے بارے میں گذشتہ برس جنونی مہم سازی ہوئی جس کے دفاع میں ہر مرحلے کے حوالے سے متعدد مقالات 'محدث' میں شائع کئے گئے، اب اس سلسلے کا تیسرا مرحلہ اسمبلی میں زیر بحث آرہا ہے تو اس حوالے سے بھی محدث میں زیر نظر تفصیلی بحث ہدیۂ قارئین کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے ہماری کاوشوں کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور اس ملک پر مسلط اسلام مخالف عناصر سے ہمیں نجات عنایت فرما کر ایسے حکمران عطا فرمائے جو نظریۂ پاکستان کے خادم اور اسلام کے حقیقی علمبردار ہوں تاکہ جس مقصد کے لئے یہ وطن عزیز حاصل کیا گیا، ۶۰ برس گزرنے کے بعد اس سمت کوئی مثبت پیش رفت ہوسکے۔ آمین! ▣

www.KitaboSunnat.com

File
:\Muh.bm
not

حقوقِ نسواں کے لئے قانون سازی اور حکومت کا رویہ

متحدہ مجلس عمل کی طرف سے گذشتہ سالوں میں پاکستانی خواتین کے صورتحال کی اصلاح کے لئے قومی اسمبلی میں تقریباً ۲۰ اور سینٹ آف پاکستان میں ۶ بل جمع کرائے گئے۔ اگر حکومت خواتین کی اصلاح کے بارے میں سنجیدہ ہوتی تو وہ ان میں سے اکثر بلوں کو زیر بحث لاتی، جبکہ عملاً ان میں سے اکثر بلوں کو مسترد کردیا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ چوہدری صاحب کے حالیہ بل کی ابتدائی تین ترامیم بھی ان پیش کئے جانے والے بلوں کا چربہ ہیں۔ اس سے بخوبی یہ پتہ چلتا ہے کہ اصل مسئلہ خواتین کی صورتحال کی اصلاح کی بجائے محض ان کے نام پر سیاست چمکانے کا ہے۔ بلکہ حقوقِ نسواں کی بحالی کا یہ سیاسی جنون اس وقت دوچند ہوجاتا ہے، جب اس کا تقاضا مغرب کی کسی حکومت یا ادارے کی طرف سے ہو۔ جہاں تک پاکستانی عورت کے عملی مسائل ہیں، ان کی اصلاح کے لئے حکومت کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ذیل میں مجلس عمل کے پیش کردہ بعض بلوں کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیے:

❶ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس (ترمیمی) بل ۲۰۰۶ء: اس قانون کی دفعہ ۷ میں طلاق کی رجسٹریشن کا نوٹس ممکنہ مدت میں بھجوانا شوہر کی ذمہ داری قرار دیا گیا تھا، اس بل میں یہ ترمیم تجویز کی گئی ہے کہ اگر شوہر تین روز کے اندر طلاق کا نوٹس نہیں بھجواتا تو بیوی طلاق کی رجسٹریشن خود بھی کراسکتی ہے۔

❷ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس (ترمیمی) بل ۲۰۰۶ء: اس قانون کی دفعہ ۹ خاتون اور بچوں کے نفقہ کے متعلق ہے۔ لیکن بیوہ خاتون یا نادار فرد کی بیوی کے لئے کوئی قانون موجود نہیں۔ چنانچہ یہ ترمیم تجویز کی گئی کہ ایسی صورت میں وراثت میں حصہ کی ترتیب سے مرد رشتہ داروں کو کفالت کا ذمہ دار قرار دیا جائے، البتہ اس بنا پر عورت سے بچوں کی تربیت کا حق نہ چھینا جائے۔

❸ دستور ترمیمی ایکٹ ۲۰۰۶ء: 'مسلم پرسنل لاء' کو دستور کی دفعہ ۲۰۳ ب کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ سماعت سے خارج کردیا گیا ہے، جبکہ اس قانون میں کئی باتیں خلافِ اسلام ہیں جن کی نشاندہی اسلامی نظریاتی کونسل بھی کرچکی ہے، اس بل میں ایسی ترمیم تجویز کی گئی ہے تاکہ یہ قانون بھی وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار میں آجائے۔

❹ ملازمت پیشہ خواتین کے تحفظ کا بل ۲۰۰۵ء: اس بل میں ایسی خواتین کی تعیناتی گھر

کے قریب، اوقاتِ کار کے تعین میں عورت کی خانگی ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھنا، ان کے بچوں کیلئے چائلڈ کیئر سنٹر کی سہولت اور زچگی کی رخصت کو تین ماہ کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

❺ خواتین کی ترقی اور بہبود کا بل ۲۰۰۵ء: اس بل میں بچیوں کی مفت لازمی تعلیم، خواتین کے لئے الگ یونیورسٹیاں، زچہ بچہ صحت کے زیادہ مراکز، تھانوں میں خواتین کے لئے خواتین عملہ، پبلک مقامات پر خواتین کے لئے مستقل انتظام وغیرہ پر قانون سازی کی سفارش کی گئی۔ موجودہ زیر بحث بل میں اوّلین تین ترامیم بھی پہلے پہل اسی بل میں متعارف کرائی گئیں، جنہیں یہاں تو مسترد کر دیا گیا، لیکن بعد میں اُنہیں ایک اور نام سے پیش کر دیا گیا۔

❻ خواتین کے معاشی استحکام کا بل ۲۰۰۵ء: اس بل میں خواتین کی کفالت، حق مہر اور وراثت کی ادائیگی کی تفصیلات پیش کرنے کے بعد یہ ترامیم تجویز کی گئیں کہ حکومت کے ہاں مختلف مالی گوشوارے درج کروانے کے موقعہ پر خواتین کو کی جانے والی ان ادائیگیوں کے بارے میں بھی سوالات شامل کئے جائیں، نیز وراثت کی تقسیم کے موقعہ پر عورت کا اپنا حصہ معاف کرنے کو غیر قانونی قرار دیا جائے، البتہ عورت وصولی کے بعد اسے گفٹ کر سکتی ہے۔

❼ عائلی عدالتیں ترمیمی بل ۲۰۰۵ء: خواتین کو قانون کی طاقت سے اپنا حصہ وراثت حاصل کرنے کے لئے سول کورٹس سے رجوع کرنا پڑتا ہے جبکہ اُنہیں اس سلسلے میں فیملی کورٹس سے رجوع کا حق دیا جائے جو دیگر سہولیات کے علاوہ ۶ ماہ میں فیصلہ نمٹانے کی پابند بھی ہیں۔

❽ قرآنِ کریم کے ساتھ شادی کی ممانعت کا بل ❾ جہیز اور شادی تحائف پر پابندی کا بل ❿ خواتین کی وراثت کا بل ⓫ خاندان کے ادارے کو تحفظ اور استحکام دینے کا بل وغیرہ ۲۰۰۵ء میں جمع کرائے جانے والے ان متعدد بلوں میں سے ہیں جنہیں متحدہ مجلس عمل نے پاکستان میں طبقہ نسواں کے حالات کی حقیقی اصلاح کے لئے پیش کیا۔لیکن یہ تمام بل قومی اسمبلی اور سینٹ میں حکومت کی دلچسپی حاصل نہ کر سکے اور اُنہیں مسترد کیا جاتا رہا۔حتیٰ کہ ان بلوں میں حدود آرڈیننس کے حوالے سے پولیس کے رویے کی اصلاح پر مبنی قانون سازی کی مثبت تجاویز بھی شامل تھیں، مثلاً ⓬ جرم زنا ترمیمی بل ۲۰۰۵ء اور ⓭ جرم قذف ترمیمی بل ۲۰۰۵ء لیکن حکومت نے ان ترامیم کی بجائے سرے سے حدود آرڈیننس کو ناقابل عمل بنانے والی قانون سازی میں دلچسپی لی، اس سے حکومت کے رجحانات کا بخوبی علم ہو جاتا ہے!!

☆ جماعۃ الدعوۃ کی دستخطی مہم کی تفصیلات کے لئے دیکھئے: www.hudood.org

◉ افسوسناک امر یہ ہے کہ اسلام میں بدکاری ایک سنگین جرم ہے جس پر فرمانِ نبویؐ کے مصداق اللہ تعالیٰ کو روئے زمین پر سب سے زیادہ غیرت آتی ہے، لیکن اس بل کا نام ’حقوقِ نسواں بل‘ رکھ کر اس فعل کو جرائم کے زمرے سے نکال کر حقوق میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اِنا للہ!

✵ حقوق نسواں بل میں علما کی پیش کردہ تین تجاویز کے متن کے لیے دیکھیں: محدث ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۵

قومی اسمبلی میں پیش کردہ ''خواتین کے خلاف استحصال اور امتیاز برتنے والے بعض رواجات کے امتناع کا بل''

چونکہ یہ قرین مصلحت ہے کہ خواتین کے استحصال اور امتیاز برتنے والے بعض رواجات کے امتناع کا قانون وضع کیا جائے اور چونکہ یہ ضروری ہے کہ بعض قانونی تصریحات کی غلط تشریح سے پیدا شدہ ابہامات کی وضاحت کی جائے۔

لہٰذا بذریعہ حسبِ ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے:

❶ مختصر عنوان اور آغازِ نفاذ: ① یہ ایکٹ 'خواتین دشمن رواجات (فوجداری قانون ترمیم) ایکٹ ۲۰۰۶ء' کے نام سے موسوم ہوگا۔

② یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

❷ ایکٹ ۴۵ مجریہ ۱۸۶۰ء کی دفعہ ۳۱۰/الف کی تبدیلی: مجموعہ تعزیراتِ پاکستان (ایکٹ ۴۵ مجریہ ۱۸۶۰ء) میں جس کا بعد ازاں مذکورہ مجموعہ کے طور پر حوالہ دیا گیا ہے، کے باب ۱۶ میں ۳۱۰ الف کی بجائے حسبِ ذیل شامل کردی جائے گی، یعنی:

''۳۱۰/الف: کسی عورت کو شادی میں یا بصورتِ دیگر بدلِ صلح، ونی یا سوارا میں دینے کی سزا: جو کوئی بھی کسی عورت کی شادی یا بصورتِ دیگر بدل صلح، وَنی یا 'سوارا' یا کسی نام کے تحت کسی دیگر رواج یا عمل کے طور پر شادی میں داخل ہونے کے لئے مجبور کرتا ہے، کسی دیوانی مقدمہ یا کسی مجرمانہ مجبوری کے تصفیہ کے پیش نظر اسے تین سال تک سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا۔''

❸ ایکٹ ۴۵ مجریہ ۱۸۶۰ء میں نئے باب ۲۰/الف کا اندراج: مذکورہ مجموعہ میں باب ۲۰ کے بعد، حسبِ ذیل نئے باب کا اندراج کیا جائے گا، یعنی:

''باب ۲۰/الف: خواتین کے خلاف جرائم

۴۹۸/الف: عورت کو وراثت سے اپنا حصہ وصول کرنے سے منع کرنا: جو کوئی دھوکہ سے یا غیر قانونی ذرائع سے کسی عورت کو منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد سے وراثت کا عمل شروع ہونے کے وقت محروم کرتا ہے، اسے سات سال تک کی مدت کے لئے سزائے قید دی

جائے گی، یا جرمانہ، یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

۴۹۸/ب: جبری شادی کا امتناع: جو کوئی کسی عورت کو شادی میں داخل ہونے کے لئے دباؤ ڈالتا ہے یا کسی انداز میں مجبور کرتا ہے، اسے تین سال تک کی مدت کے لئے سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

۴۹۸/ج: قرآن پاک کے ساتھ شادی: (۱) جو کوئی بھی کسی عورت کو قرآن پاک کے ساتھ شادی پر مجبور کرتا ہے، انتظام کرتا ہے یا سہولت فراہم کرتا ہے، اسے تین سال تک سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

(۲) باوجود اس امر کے کوئی ذیلی دفعہ'ا' میں مذکور ہو، قرآنِ پاک پر کسی عورت سے ناکتخدا رہنے یا اپنی باقی ماندہ زندگی میں شادی نہ کرنے یا وراثت میں اپنے حصہ کا دعویٰ نہ کرنے کے لئے حلف لینے کو قرآن پاک سے شادی کرنا سمجھا جائے گا۔

۴۹۸/د: لعان کے طریق کار کے زیر کارروائی خاوند کی غیرحاضری میں فسخ نکاح وغیرہ:

(۱) باوجود اس امر کہ کوئی چیز جرم قذف (نفاذِ حد) آرڈیننس ۱۹۷۹ء (نمبر ۸ مجریہ ۱۹۷۹ء) کی دفعہ ۱۴ میں، اور انفساخِ مسلم نکاح جات ایکٹ ۱۹۳۹ء (نمبر ۸ مجریہ ۱۹۳۹ء) کے علاوہ مذکور ہو، جہاں خاوند کو قذف کے لئے کورٹ میں اپنی بیوی کی شکایت یا رپورٹ اس کی غیرحاضری یا بصورتِ دیگر مذکورہ دفعہ میں صراحت کردہ لعان کے طریق کار میں زیر کارروائی ہونے میں ناکامی ہوتی ہے، یہ بیوی کے لئے مجاز کورٹ کی وساطت سے اپنے نکاح کے انفساخ حاصل کرنے کے لئے جائز بنیاد ہوگی اور خاوند کو قذف کی سزا بھی دی جائے گی۔

۴۹۸/ھ: الزام کا اعتراف مستوجبِ استغاثہ ہوگا: جہاں بیوی لعان کی زیر کارروائی زنا کا اعتراف کرتی ہے تو وہ زنا کے استغاثہ کی مستوجب ہوگی۔

(۴) ایکٹ ۵ مجریہ ۱۸۹۸ء میں نئی دفعہ ۴۰۲ج کا اندراج: مجموعہ ضابطہ فوجداری (ایکٹ ۵ مجریہ ۱۸۹۸ء) جس کا بعد ازاں مذکورہ مجموعہ کے طور پر حوالہ دیا گیا ہے۔ دفعہ ۴۰۲ج کے بعد حسبِ ذیل نئی دفعہ شامل کردی جائے گی یعنی:

''۴۰۲/و: صوبائی حکومت زنا بالجبر کی سزاؤں میں مداخلت نہیں کرے گی: باوجود اس امر کہ

www.KitaboSunnat.com

دفعہ ۴۰۱، دفعہ ۴۰۲ اور ۴۰۲ ب کوئی چیز مذکور ہو، صوبائی حکومت مجموعہ تعزیراتِ پاکستان (ایکٹ ۴۵ مجریہ ۱۸۶۰ء) کی دفعہ ۳۷۶ کے تحت دی گئی سزا کو معطل و معاف یا کم نہیں کرے گی۔''

۵ ایکٹ ۵ مجریہ ۱۸۹۸ء کے جدول ۲ کی ترمیم: مذکورہ مجموعہ میں، جدول دوم میں؛

(i) کالم ا میں دفعہ ۳۱۰/الف اور کالم ۲ تا کالم ۸ میں اس سے متعلق اندراجات کی بجائے حسبِ ذیل تبدیل کر دیا جائے گا، یعنی:

باب ۲۰/الف...... خواتین کے خلاف جرائم

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۳۱۰ الف	عورت کو شادی یا بصورتِ دیگر بدلِ صلح ونی یا سوارا میں دینا	بلا وارنٹ گرفتار نہیں کرے گا	وارنٹ	قابل ضمانت	قابل مصالحت	تین سال تک سزائے قید اور جرمانہ	سیشن کورٹ یا درجہ اوّل مجسٹریٹ

(II) کالم ا میں دفعہ ۴۹۸ کے بعد اور کالم ۲ تا کالم ۸ میں اس سے متعلق اندراجات کے بعد حسبِ ذیل کا اندراج کر دیا جائے گا، یعنی

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۴۹۸ الف	عورت کو موروثی جائیداد سے محروم کرنا	بلا وارنٹ گرفتار نہیں کرے گا	وارنٹ	قابل ضمانت	قابل مصالحت	سات سال تک سزائے قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں	سیشن کورٹ یا درجہ اوّل مجسٹریٹ
۴۹۸ ب	جبری شادیاں	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	تین سال تک سزائے قید اور جرمانہ	ایضاً
۴۹۸ ج	قرآن کیساتھ شادی کا امتناع	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

بیانِ اغراض و وجوہ: ملک میں رائج الوقت کئی رواجات اور رسومات ہیں جو نہ صرف انسانی شرف کے خلاف ہیں بلکہ انسانی حقوق کے خلاف بھی ہیں۔ ایسے رواجی قاعدے بعینہٖ اسلامی احکام کے منافی ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایسے غیر انسانی رواجات اور رسوم کو فوری طور پر ختم کر دیا جائے اور ان کے تسلسل پر اصرار کرنے والے شخص کو سختی سے نمٹا جائے اور اسے تعزیری ذمہ داریوں کے تحت لایا جائے۔ بل ہذا کا مقصد ان اغراض کا حصول ہے۔

دستخط چوہدری شجاعت حسین (رکن قومی اسمبلی)

ایمان وعقائد
محمد ارشد کمال☆

عقیدۂ عذابِ قبر اور اس کی ضروری تفصیلات

اسلامی عقائد میں سے ایک عقیدہ عذابِ قبر کا بھی ہے جو نہ صرف قرآنِ مجید بلکہ صحیح اور متواتر احادیث سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، نیز عام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ مرنے کے بعد ہر انسان سے عالم برزخ میں سوالات ہوتے ہیں، خواہ اسے قبر میں دفن کیا جائے یا نہیں، اسے درندے کھا جائیں یا پھر آگ میں جلا کر ہوا میں اُڑا دیا جائے یا وہ پانی میں ڈوب کر مر جائے اور اسے مچھلیاں اپنی خوراک بنالیں۔ ہر انسان سے اس کے ایمان کے متعلق محاسبہ ہونا ہی ہے، پھر اگر وہ ایماندار ہوگا تو قبر (برزخ) میں اسے کامیابی اور ثابت قدمی نصیب ہوگی، اور اگر وہ کافر یا منافق ہو تو اسے قبر میں قطعاً ثابت قدمی نصیب نہیں ہوگی۔

ا قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ (ابراہیم:۱۴/۲۷)

''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ البتہ ناانصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے، اللہ جو چاہے کر گزرے۔''

تمام مفسرین، محدثین اور علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ خود ناطقِ وحی جناب محمد ﷺ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی منقول ہے۔

◉ چنانچہ سیدنا براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

«إذا أقعد المؤمن في قبره أتى، ثم شهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، فذلك قوله ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ......﴾»

''مؤمن جب اپنی قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں، پھر وہ شہادت

☆ فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ ...... مؤلف کتاب ''عذابِ قبر اور اس کے منکرین''

www.KitaboSunnat.com

دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول: ﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ...... الآية﴾ کا۔'' (بخاری: رقم ۴۶۹۹)

◉ محمد بن بشارؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: '' ﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا ......﴾ نزلت في عذاب القبر» ''یعنی یہ آیت عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

(بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر، رقم: ۱۳۶۹)

❷ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۲۴تا۱۲۶)

''اور جس نے میرے ذکر سے منہ پھیرا یقیناً اس کے لئے تنگ زندگی ہوگی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کرکے اُٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے ربّ! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جبکہ (اس سے پہلے) تو میں بلاشبہ دیکھنے والا تھا۔ وہ (اللہ) فرمائے گا: اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں لیکن تو نے انہیں فراموش کردیا، اس طرح آج کے دن تجھے فراموش کردیا جائے گا۔''

◉ اس آیت میں مَعِيشَةً ضَنْكًا کی تفسیر صاحبِ قرآن محمد ﷺ نے یوں بیان فرمائی۔

سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وإن الكافر إذا أتى من قبل رأسه لم يوجد شيء ثم أتى عن يمينه فلا يوجد شيء ثم أتى عن شماله فلا يوجد شيء ثم أتى من قبل رجليه فلا يوجد شيء. يقال له: اجلس فيجلس خائفا مرعوبا فيقال له: أرأيتك هذا الرجل الذي كان فيكم ماذا تقول فيه وماذا تشهد به عليه؟ فيقول: أي رجل؟ فيقال: الذي كان فيكم. فلا يهتدي لاسمه حتى يقال له: محمد. فيقول: ما أدري سمعت الناس قالوا قولا فقلت كما قال الناس. فيقال له: على ذلك حييتَ وعلى ذلك متَّ وعلى ذلك تُبعث إن شاء الله. ثم يفتح له باب من أبواب النار فيقال له: هذا مقعدك من النار وما أعد الله لك فيها. فيزداد حسرة وثبورا ثم يفتح له باب من

www.KitaboSunnat.com

أبواب الجنة فيقال له: ذلك مقعدك من الجنة وما أعد الله لك فيه لو أطعته. فيزداد حسرة و ثبورا ثم يُقيَّض عليه قبره حتى تختلف فيه أضلاعه فتلك المعيشة الضنكة التي قال الله: ﴿فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾»

(صحیح ابن حبان کتاب الجنائز، رقم:۳۰۴۳،'حسن' کما قالہ الالبانی)

''اور بے شک کافر کو (عذاب دینے کے لئے فرشتے) اس کے سر کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ (ایمان اور عمل صالح کی) کوئی رکاوٹ نہیں پاتے۔ پھر وہ اس کے دائیں جانب سے آتے ہیں پس وہ کوئی رکاوٹ نہیں پاتے۔ پھر وہ بائیں طرف سے آتے ہیں، ادھر بھی کوئی رکاوٹ نہیں پاتے۔ پھر وہ اس کے پاؤں کی جانب سے آتے ہیں تو ادھر بھی کوئی رکاوٹ نہیں ملتی۔ پھر اس (کافر کو) کہا جاتا ہے: بیٹھ جا۔ وہ خوف زدہ اور سہا ہوا بیٹھ جاتا ہے۔ فرشتے پوچھتے ہیں: جو شخص تم میں (رسول بنا کر) بھیجا گیا تھا، اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے اور اس کے متعلق تو کیا گواہی دیتا ہے؟ جواب میں کافر کہتا ہے: کون سا آدمی؟ فرشتے کہتے ہیں: جو تم میں بھیجا گیا تھا۔ اسے آپؐ کے نام کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا یہاں تک کہ اسے بتایا جاتا ہے کہ محمد ﷺ (کے متعلق پوچھا جارہا ہے)۔ وہ کافر کہتا ہے: میں تو نہیں جانتا (البتہ) میں نے لوگوں کو (آپؐ کے متعلق) کچھ کہتے ہوئے سنا تھا۔ پھر میں نے بھی لوگوں کی طرح ہی کہہ دیا۔ فرشتے کہتے ہیں: اس شک پر تو زندہ رہا اور اسی پر مرا اور ان شاء اللہ اسی پر تو اُٹھایا جائے گا۔ پھر جہنم کے دروازوں میں ایک دروازہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اسے یہ بھی بتادیا جاتا ہے کہ تیرا ٹھکانہ یہ آگ ہے (اور دوسرے عذاب) جو اللہ نے تیرے لئے تیار کررکھے ہیں۔ پس (اس نظارے کے بعد) اس کی ندامت اور ہلاکت میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اگر تو (اللہ اور اس کے رسولؐ کی) اطاعت کرتا تو یہ جنت تیرا ٹھکانہ ہوتی اور (دوسری نعمتیں) جو اللہ نے تیرے لئے اس میں تیار کررکھی تھیں۔ (اس نظارے کے بعد) اس کی ندامت اور ہلاکت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ پھر اس پر اس کی قبر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ اسکی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں دھنس جاتی ہیں۔ پس یہ ہے معیشة ضنکا (کی تفسیر) جسکے متعلق اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾''

◉ اسی طرح سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ایک دوسری حدیث یوں ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

''نبی ﷺ نے صحابہ سے پوچھا: أتدرون فیما أنزلت هٰذه الآیة ﴿فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ أتدرون ما المعیشة الضنکة؟ کیا جانتے ہو کہ یہ آیت ﴿فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ کس چیز کے متعلق نازل ہوئی؟ کیا تم جانتے ہو کہ معیشة ضنکة کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عذاب الکافر في قبره والذي نفسي بیده أنه یسلط علیه تسعة وتسعون تنینا. أتدرون ما التنین؟ سبعون حیة لکل حیة سبع رؤوس یلسعونه ویخدشونه إلی یوم القیامة (صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، رقم:۳۱۱۲، ۳۱۰۹ حسنہ الالبانی)

''(معیشة ضنکًا سے مراد یہ ہے کہ) کافر کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کافر پر ننانوے تنین مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ جانتے ہو کہ تنین سے کیا مراد ہے؟ اس سے ستر سانپ (مراد) ہیں اور ہر سانپ کے سات سرے (منہ) ہیں جن کے ساتھ وہ قیامت تک کافر کو کاٹتے رہیں گے۔''

◉ اسی آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

وقول رابع وهو الصحیح أنه عذاب القبر قاله أبوسعید الخدري وعبدالله بن مسعود وروٰی أبوهریرة مرفوعًا عن النبي ﷺ وقد ذکرنا في کتاب 'التذکرة' قال أبوهریرة یضیق علی الکافر قبره حتی تختلف فیه أضلاعه وهوالمعیشة الضنك (تفسیر قرطبی: ۱۱/۲۵۹، طبع ایران)

''**چوتھا قول** اور یہی صحیح ہے کہ بے شک معیشة الضنك (سے مراد) عذابِ قبر ہے۔ یہ قول ابوسعید خدری اور عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہم) کا بھی ہے اور ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے مرفوع بیان کیا ہے جسے ہم نے اپنی کتاب التذکرة میں ذکر کیا ہے۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کافر پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں یہی معیشة ضنك ہے۔''

◉ علامہ شوکانیؒ نے اپنی بھی اپنی تفسیر میں اس سلسلے میں مروی متعدد روایات درج کرنے کے بعد یہی قرار دیا ہے کہ معیشة ضنك سے مراد عذابِ قبر ہی ہے۔ (تفسیر فتح القدیر: ۳/۳۹۲)

◉ سید احمد حسن دہلوی نے بھی اس بارے میں سلف کے بعض اقوال ذکر کرنے کے بعد

مسند بزار میں حضرت ابوہریرہؓ کی سند سے مروی ایک معتبر حدیث کی بنا پر یہی قرار دیا ہے کہ خود صاحبِ وحی ﷺ نے معيشة ضنك کی تعریف عذابِ قبر فرمائی ہے۔ (احسن التفاسیر:۱۹۹/۴)

❸ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے:

﴿فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ○ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (المومن:۴۵،۴۶)

''پس اسے (آلِ فرعون میں سے مؤمن آدمی کو) اللہ نے تمام سازشوں سے محفوظ رکھ لیا جو اُنہوں (فرعونیوں) نے سوچ رکھی تھیں اور فرعونیوں پر بُری طرح کا عذاب اُلٹ پڑا۔ (یعنی) آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح و شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا کہ) آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔''

عذابِ قبر کے اثبات میں ان آیات میں دو بڑی واضح دلیلیں موجود ہیں: قیامت قائم ہونے سے پہلے قومِ فرعون کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور قیامت سے پہلے اُنہیں جس عذاب پر پیش کیا جارہا ہے، وہی عذابِ قبر ہے۔ یاد رہے کہ آگ پر پیشی آلِ فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اس میں تمام مجرمین شامل ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

«إن أحدكم إذا مات عرض عليه مقعده بالغداة والعشي، إن كان من أهل الجنة فمن أهل الجنة، وإن كان من أهل النار فمن أهل النار فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله يوم القيامة» (بخاری: کتاب الجنائز، رقم:۱۳۷۹)

''بے شک جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا ٹھکانا اسے صبح و شام دکھایا جاتا ہے، اگر وہ جنتی ہے تو جنت والوں میں، اور اگر وہ دوزخی ہے تو دوزخ والوں میں، پھر کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھ کو اٹھائے گا۔''

معلوم ہوا کہ صبح وشام آگ پر پیشی صرف آلِ فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن کے اعمال فرعون اور آلِ فرعون جیسے ہوں۔

دوسری دلیل اس آیت میں یہ ہے کہ قیامت کے دن فرشتوں سے کہا جائے گا کہ قومِ فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جو ان کو کم

www.KitaboSunnat.com

عذاب دیا گیا تھا، وہ عذابِ برزخ تھا کیونکہ روزِ محشر تو اُنہیں أشد العذاب ہوگا۔ اس کے مقابلے میں پہلے والا عذاب اتنا سخت نہیں تھا، اسی لئے ﴿سُوْءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾ فرمایا اور پھر بعد میں ﴿اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ قیامت سے قبل جو عذاب دیا گیا تھا، وہ تھا تو عذاب ہی مگر قیامت کے سخت عذاب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔

◉ امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:

احتج أصحابنا بهذه الآية على إثبات عذاب القبر. قالوا: الآية تقضي عرض النار عليهم غدوا وعشيا، وليس المراد منه: يوم القيمة؛ لأنه قال: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ وليس المراد منه أيضا: الدنيا؛ لأن عرض النار عليهم غدوا وعشيا ما كان حاصلا في الدنيا؛ فثبت أن هذا العرض إنما حصل بعد الموت وقبل يوم القيمة، وذلك يدل على إثبات عذاب القبر في حق هولاء، وإذا ثبت في حقهم ثبت في حق غيرهم؛ لأنه لا قائل بالفرق (بحوالہ تحفۃ الاحوذی: ۹/۲۶۶ طبع جدید)

''ہمارے اَصحاب نے اس آیت سے عذابِ قبر کی دلیل پکڑی ہے، اُنہوں نے فرمایا کہ یہ آیت ان (آلِ فرعون) پر صبح وشام آگ پیش کرنے کا تقاضا کرتی ہے، اور اس (پیشی) سے مراد نہ تو قیامت کا دن ہے، کیونکہ اس کے لئے ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ ''اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو (حکم ہوگا) کہ آلِ فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔'' فرمایا ہے: اور نہ ہی اس سے مراد دنیا (کا دن) ہے، کیونکہ صبح وشام ان پر آگ کی پیشی دنیا میں حاصل نہیں ہوئی۔ پس ثابت ہوگیا کہ بے شک یہ پیشی صرف اور صرف موت کے بعد اور قیامت سے پہلے ہی حاصل ہوگی اور یہ (آیت) ان فرعونیوں کے بارے میں عذابِ قبر کے برحق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ جب ان (فرعونیوں) کے بارے میں (عذابِ قبر) ثابت ہوگیا تو دوسروں کے بارے میں بھی ثابت ہوگیا۔ اس لئے کہ (اللہ تعالیٰ کا) فرمان سب کے لئے یکساں ہے۔''

◉ یہی بات حسن بن محمد نیساپوریؒ بھی فرماتے ہیں:

وفي الآية دلالة ظاهرة على إثبات عذاب القبر، لأن تعذيب يوم

www.KitaboSunnat.com

القيمة يجيء في قوله: ﴿يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ (ایضاً)

اس آیت میں اثبات عذاب قبر کی واضح دلیل ہے، کیونکہ قیامت کے دن عذاب دینے کا (ذکر تو) اس فرمان میں ہے: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ......﴾

◉ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''ہر صبح و شام ان کی روحیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں۔ قیامت تک اُنہیں یہ عذاب ہوتا رہے گا، اور قیامت کے دن ان کی روحیں جسم سمیت جہنم میں ڈال دی جائیں گی، اور اس دن ان سے کہا جائے گا: اے آلِ فرعون! سخت، دردناک اور بہت تکلیف دہ عذاب میں چلے جاؤ۔ یہ آیت اہل سنت کے اس مذہب کی کہ عالم برزخ (یعنی قبروں) میں عذاب ہوتا ہے۔ بہت بڑی دلیل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، مترجم اُردو: ۵۲۹/۴)

◉ علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:

ذهب الجمهور أن هذا العرض هو في البرزخ: ﴿وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ يدل دلالة واضحة على أن ذلك العرض هو في البرزخ (تفسیر درّ منثور: ۴۹۵/۴، قدیم)

''جمہور کا مذہب (یہ) ہے کہ بے شک (آگ پر) یہ پیشی برزخ ہی میں ہے۔ ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ واضح طور پر دلالت کررہا ہے کہ بیشک یہ (آگ پر) پیش کیا جانا برزخ ہی میں ہوتا ہے۔''

☜ منکرین عذاب قبر کی طرف سے اس آیت پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آلِ فرعون صبح و شام قیامت تک صرف آگ پر پیش کئے جاتے رہیں گے، آگ میں ڈالے نہیں جائیں گے۔ آگ پر پیش کیا جانا اور آگ میں ڈالا جانا دونوں مساوی نہیں۔

وضاحت: منکرین عذابِ قبر آل فرعون کا آگ پر پیش کیا جانا تو مانتے ہیں، جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے، اب بات صرف اتنی ہے کہ کیا آگ پر پیشی عذاب ہے یا نہیں؟

اس بات کا فیصلہ ہر صاحبِ عقل بخوبی کرسکتا ہے۔ معمولی سی بھی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی دنیا کی آگ سے یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آگ پر پیش کیا جانا عذاب ہے یا راحت؟

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«ناركم هذه التي يوقد ابن آدم جزء من سبعين جزء من حر جهنم .

www.KitaboSunnat.com

قالوا: والله إن كانت لكافية يا رسول الله؟ قال: فإنها فضلت عليها بتسعة وستين جزء كلها مثل حرها» (صحیح مسلم، رقم:۷۱۶۵،طبع دارالسلام)

''تمہاری یہ (دنیا کی) آگ جسے ابن آدم جلاتا ہے، جہنم کی آگ کا سترہواں حصہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: واللہ! اے اللہ کے رسول ﷺ (انسانوں کو جلانے کے لئے) یہی کافی تھی؟ آپؐ نے فرمایا: لیکن وہ تو دنیا کی آگ سے اُنہتر (۶۹) درجہ زیادہ گرم ہے اور اس کا ہر حصہ اس دنیا کی آگ کے برابر ہے۔''

اس اُنہتر گنا کم حرارت والی آگ کے سامنے جب ہم بیٹھتے ہیں (آگ میں داخل نہیں بلکہ صرف سامنے بیٹھے ہیں) تو اس کی تپش اور حرارت اس قدر ہوتی ہے کہ اس کی طرف دیکھا بھی نہیں جاتا، چہ جائیکہ آگ پر پیش کیا جائے۔ یہ بات آپ ان حضرات سے اچھی طرح پوچھ سکتے ہیں جو تنور یا کسی آگ کی بھٹی پر سخت گرمی میں کھڑے ہوکر کام کرتے ہیں یا پھر گوشت کو ہی لے لیں جسے آگ پر صرف پیش ہی کیا جاتا ہے پھر دیکھ لیں کہ گوشت کا کیا حال ہوتا ہے؟ جب ہماری اس دنیا کی آگ کا یہ حال ہے تو آخرت کی آگ جو اس سے اُنہتر درجہ زیادہ ہے، اس پر پیش ہونے والوں کا کیا حشر ہوتا ہوگا۔ العیاذ باللہ

سید بدیع الدین شاہ راشدیؒ فرماتے ہیں:

''آگ پر پیش ہونا تو خود عذاب ہے، کیونکہ جہنم کے صرف پانی کا یہ حال ہے کہ ﴿وَإِنْ يَّسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ﴾ (الکہف:۲۹) ''اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا جو چہرے بھون دے گا۔'' پس جب جہنم کے پانی کی گرمی اور تیزی اتنی ہے کہ اسکے قریب سے منہ جل جائے گا تو پھر آگ کا کیا کہنا؟ پیش ہونا تو خود عذاب ہے۔'' (عذابِ قبر کی حقیقت: ص ۳۰)

بالفرض چند لمحوں کے لئے مان بھی لیا جائے کہ آگ پر پیشی عذاب نہیں تو اب منکرین عذابِ قبر ہی بتائیں کہ اسے کیا نام دیں گے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کی آگ پر اس پیشی کو ہی سوء العذاب قرار دیا ہے۔ (المومن: ۴۵)

قبر میں ہونے والا عذاب کی بعض تفصیلات اوپر ذکر ہوئیں، اس کی مزید تفصیلات مضمون کے آخر میں فرامین نبوی ﷺ کے حوالے سے درج کی گئی ہیں۔ ان سطور میں ہم بخوفِ

www.KitaboSunnat.com

طوالت انہی آیات اور احادیث پر اکتفا کرتے ہیں، وگرنہ قرآنِ مجید☆ اور احادیث ِصحیحہ میں اس مسئلے پر دلائل کے انبار موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عذابِ قبر برحق ہے بلکہ ایک حدیث تو صاف ان الفاظ میں ہے: «عذاب القبر حق»

''عذابِ قبر برحق ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رقم:۱۳۷۲)

عذاب قبر اور علماے سلف

آج بھی الحمدللہ اہل سنت کا موقف عذاب قبر کے برحق ہونے کا ہے اور جس کسی نے بھی ان کی اس مسئلے میں مخالفت کی ہے، اسے سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ملا۔ ذیل میں ہم اہل سنت کے چند ممتاز علما کی آرا بھی اثباتِ عذابِ قبر پر پیش کرتے ہیں:

◉ شارح صحیح مسلم امام نوویؒ فرماتے ہیں:

اعلم أن مذهب أهل السنة إثبات عذاب القبر، وقد تظاهرت عليه دلائل الكتاب والسنة: قال الله تعالىٰ ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا...... الآية﴾ وقد تظاهرت به الأحاديث الصحيحة عن النبي من رواية جماعة في مواطن كثيرة، ولا يمتنع في العقل أن يعيد الله تعالىٰ في جزء من الجسد ويعذبه، وإذا لم يمنعه العقل وورد الشرع به، وجب قبوله واعتقاده (المنهاج شرح صحیح مسلم:۳۸۵/۲،۳۸۶ درسی)

''جان لو! اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عذابِ قبر برحق ہے اور اس پر کتاب وسنت کے واضح دلائل موجود ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا......﴾ وہ آگ ہے جس پر وہ (لشکرِفرعون) صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں۔ ایسے ہی نبی ﷺ سے عذاب کے بارے میں بہت سی احادیث ِصحیحہ موجود ہیں، جنہیں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے بہت سے موقعوں پر بیان کیا ہے۔ یہ امر عقلاً بھی محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم کے کسی حصہ میں زندگی لوٹا دے اور اسے سزا دے اور شرع میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ اس کو قبول کرنا اور اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔''

◉ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

☆ عذاب قبر اور قرآن مجید از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری 'محدث' نومبر ۲۰۰۰ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

www.KitaboSunnat.com

ومما ينبغي أن يعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ ، فكل من مات وهو مستحق للعذاب ، ناله نصيبه منه ، قُبِر أولم يُقبر ، فلو أكلته السباع أو حرِّق حتى صار رمادا أو نسف في الهواء أو صلب أو غرق في البحر ، وصل إلى روحه وبدنه من العذاب ما يصل إلى المقبور

(کتاب الروح: ص۵۶)

''اس امر کا علم رکھنا ضروری ہے کہ عذابِ قبر اصل میں عذابِ برزخ ہی کا دوسرا نام ہے۔ ہر مرنے والے کو جو عذاب کا مستحق ہو، اس کا حصہ پہنچ جاتا ہے، خواہ اسے قبر میں دفن کیا جائے یا نہ، اسے درندے کھا گئے ہوں یا وہ آگ میں جلا دیا گیا ہو، اس کی راکھ ہوا میں اُڑا دی گئی ہو یا وہ پھانسی دے دیا گیا ہو یا سمندر میں ڈوب مرا ہو۔ (ان سب حالات میں) اس کی رُوح اور اس کے بدن کو وہ عذاب پہنچ کر رہے گا جو قبر والوں کو ہوتا ہے۔''

◉ حافظ ابن حجرؒ صحیح بخاری کے باب ماجاء في عذاب القبر کے تحت لکھتے ہیں:

واكتفى بإثبات وجوده خلافا لمن نفاه مطلقا من الخوارج وبعض المعتزلة كضرار بن عمرو وبشر المريسي ومن وافقهما وخالفهم في ذلك أكثر المعتزلة وجميع أهل السنة وغيرهم (فتح الباری:۳/۲۹۶، دارالسلام)

''امام بخاریؒ نے یہاں صرف اثباتِ عذابِ قبر پر ہی اکتفا کیا ہے تاکہ اس سے ان خارجیوں اور معتزلہ کا ردّ کریں جنھوں نے مطلقاً عذابِ قبر کی نفی کی ہے، جیسے ضرار بن عمرو، بشر مریسی اور ان کے ہم خیال لوگ۔ البتہ اکثر معتزلہ اور اہل سنت نے اس مسئلے میں ان کی مخالفت کی ہے۔''

◉ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

إثبات عذاب القبر وهو مذهب أهل السنة والجماعة ، وأنكر ذلك ضرار بن عمرو و بِشر المُريسي وأكثر المتأخرين من المعتزلة .

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:۶/۱۶۱)

''اہل سنت والجماعت کا موقف عذابِ قبر کے اثبات کا ہے، جب کہ ضرار بن عمرو اور بشر مریسی اور متاخرین معتزلہ میں سے اکثر نے اس کا انکار کیا ہے۔''

◉ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

ومن الإيمان باليوم الآخر الإيمان بكل ما أخبر به النبي ﷺ مما يكون

www.KitaboSunnat.com

بعد الموت فيؤمنون بفتنة القبر وبعذاب القبر ونعيمه.

(شرح العقيدة الواسطية: ص۱۴۰)

''اور آخرت پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ نبی ﷺ نے موت کے بعد کے احوال کے متعلق جو بھی خبر دی ہے، ان سب پر ایمان لاتے ہوئے انسان فتنۂ قبر، عذابِ قبر اور ثوابِ قبر پر بھی ایمان رکھے۔''

◉ اُستاذِ محترم جناب ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ رقم طراز ہیں:

''احادیثِ رسولؐ پر سچے دل سے ایمان لانے کے بعد اب جو شخص بھی ان احادیث کا مطالعہ کرے گا تو وہ اس حقیقت کو پالے گا کہ قبر کا عذاب ایک حقیقت ہے۔ عذابِ قبر کا تعلق چونکہ مشاہدے سے نہیں بلکہ اس کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے، اس لئے حواس اس کا ادراک نہیں کرسکتے، بس یوں سمجھ لیں کہ جیسے فرشتوں، جنات، جنت اور دوزخ کو ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے کہنے سے تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح عذابِ قبر کو بھی ہمیں تسلیم کرلینا چاہئے کیونکہ عذابِ قبر کے متعلق بے شمار احادیثِ صحیحہ موجود ہیں جو درجہ تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ ان احادیث کا انکار گویا قرآنِ کریم کے انکار کے مترادف ہے۔'' (عقیدۂ عذابِ قبر: ص۲۰)

◉ مولانا محمد یوسف لدھیانوی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''پوری جزا سزا تو آخرت میں ہی ملے گی جب ہر شخص کا فیصلہ اس کے اعمال کے مطابق چکایا جائے گا، لیکن بعض اعمال کی کچھ جزا و سزا دنیا میں بھی ملتی ہے، جیسا کہ بہت سی آیات واحادیث میں یہ مضمون آیا ہے اور تجربہ ومشاہدہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح بعض اعمال پر قبر میں بھی جزا وسزا ہوتی ہے اور یہ مضمون بھی احادیثِ متواترہ میں موجود ہے۔''

آخر میں فرماتے ہیں:

''بہرحال قبر کا عذاب وثواب برحق ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس سے ہر مؤمن کو پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے۔'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱/۳۰۵)

خلاصہ نکات: مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ

① قرآن وسنت کی نصوص کی روشنی میں جملہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کا لازمی حصہ ہے کہ عذابِ قبر کو برحق مانا جائے اور اس پر ایمان لایا جائے۔

www.KitaboSunnat.com

② موت کے بعد انسان جہاں کہیں بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو، اسے عذاب یا راحت پہنچتی ہے۔اس کے لئے قبر میں ہونا لازمی نہیں۔

③ عذابِ قبر کا انکار خوارج ،بعض معتزلہ اوران کے بعض پیروکاروں نے کیا ہے، جب کہ یہ لوگ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں اور بالاتفاق گمراہ ہیں۔

④ عذابِ قبر کا تعلق مشاہدے سے نہیں بلکہ ایمان بالغیب سے ہے،اس لئے ہماری عقل اس کا اِدراک نہیں کرسکتی۔

⑤ ہر مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عذابِ قبر سے پناہ مانگے ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ بھی اس سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

یاد رہے کہ اگر مرنے والا نیک ہوتو قبر اس کے لئے انعاماتِ اُخرویہ کا زینہ اوّل ثابت ہوتی ہے اور اگر وہ نافرمان ہوتو پھر قبر آخرت کے عذاب کا نقطہ آغاز بنتی ہے۔

عالم ُبرزخ‘ سے کیا مراد ہے؟

اصطلاح میں بَرْزَخ اس مدت اور زمانے کا نام ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ہے، یعنی موت کے وقت سے لے کر قیامت تک کا درمیانی 'وقفہ' برزخ کہلاتا ہے۔

عربی لغت کی مشہور کتاب 'الصحاح' کے مصنف علامہ جوہری فرماتے ہیں:

البرزخ الحاجز بين الشيئين والبرزخ ما بين الدنيا والآخرة من وقت الموت إلى البعث فمن مات فقد دخل في البرزخ (تفسیر قرطبی:۱۳۵/۱۲)

''برزخ (لغت میں) اس رکاوٹ کا نام ہے جو دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے،جبکہ (اصطلاح میں) برزخ وہ عرصہ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ہے؛ موت کی گھڑی سے لے کر قیامت تک۔پس جو شخص مرگیا وہ برزخ میں چلا گیا۔''

امام ابن زیدؒ فرماتے ہیں:

البرزخ ما بين الموت إلى البعث (تفسیر طبری: ج۱۸/ص۶۲)

''برزخ موت اور قیامت کے درمیانی عرصے کو کہتے ہیں۔''

برزخ کے متعلق چند ضروری باتیں: فوت شدہ انسان کے لئے برزخ ظرفِ زمان ہے،

مرنے کے بعد انسان عالم برزخ میں چلا جاتا ہے۔ جو میت چارپائی پر پڑی ہو، وہ بھی عالم برزخ میں داخل ہوچکی ہے، جس کو لوگ کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہوتے ہیں، وہ بھی عالم برزخ میں ہی ہے اور جس کو قبر میں دفن کردیا گیا ہو، وہ بھی برزخ میں ہے۔ الغرض فوت شدہ انسان جہاں اور جس حالت میں بھی ہو، وہ عالم برزخ میں ہی ہے کیونکہ موت کے وقت سے اس کا عالَم (زمانہ) تبدیل ہوگیا۔ پہلے وہ 'عالم دنیا' میں تھا اور اب وہ 'عالم برزخ' میں داخل ہوگیا ہے، اگرچہ وہ وہیں چارپائی پر ہی کیوں نہ پڑا ہوا ہو۔

- یاد رہے کہ وقت اور زمانے کی تبدیلی کے لئے جگہ کی تبدیلی ضروری نہیں مثلاً ایک شخص نے عصر کی نماز مسجد میں ادا کی اور پھر اسی مسجد اور اسی مصلیٰ پر ہی بیٹھا رہا حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا اور مغرب ہوگئی تو وہ شخص وہاں بیٹھے بیٹھے ہی رات میں داخل ہوچکا ہے۔ حالانکہ وہ ایک ہی مقام پر بیٹھا رہا اور اس نے کوئی جگہ نہیں بدلی لیکن زمانہ تبدیل ہوگیا۔ عصر کے وقت وہ دن میں تھا اور مغرب کے وقت رات میں پہنچ گیا۔ اسی طرح مرنے سے پہلے آدمی عالم دنیا میں ہوتا ہے اور مرنے کے بعد عالم برزخ میں چلا جاتا ہے خواہ چارپائی پر ہی کیوں نہ پڑا ہو یا جہاں بھی ہو، اب اس کا زمانہ تبدیل ہوگیا ہے۔
- برزخ والے دنیا والوں کے حالات سے بے خبر ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس وقت دنیا میں کیا کچھ ہورہا ہے اور ہمارے اہل وعیال پر کیا بیت رہی ہے، اگرچہ میت چارپائی پر ہی کیوں نہ پڑی ہو۔ بالکل ایسے ہی دنیا والوں کی مثال ہے کہ وہ بھی مرنے والے کے ساتھ ہونے والی کارروائی سے ناآشنا ہیں۔ فرشتے مرنے والے کی پٹائی کررہے ہوں یا اسے جنت کی بشارتیں سنا رہے ہوں یا میت چیخ وپکار کررہی ہو، أین تذهبون کی صدا یا قَدِّمُوْنِي قَدِّمُوْنِي پکار رہی ہو، دنیا والوں کو کچھ نظر نہیں آتا اور وہ سب اس ساری کارروائی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اب دونوں کا زمانہ مختلف ہے۔ ایک عالم دنیا میں ہے اور دوسرا عالم برزخ میں ہے۔ اختلافِ عالم کے سبب یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ دنیا والے برزخیوں کے حالات یا اہل برزخ دنیا والوں کے حالات سے آگاہ ہوسکیں۔
- عالم دنیا میں ہر انسان کو راحت ولذت اور عذاب وسزا کا پہنچنا ایک مسلم حقیقت ہے جس

سے کسی کو بھی انکار نہیں لیکن آپ دیکھیں کہ بسا اوقات انسان کو اس زمین کے بجائے فضاؤں (جیسے ہوائی جہاز وغیرہ) میں آرام یا سزا ملتی ہے۔ اب اس شخص کو دلیل بنا کر کسی نے بھی زمین پر ملنے والی سزاؤں کا انکار نہیں کیا کیونکہ اوّلاً زمین پر سزاؤں کا ملنا اَغلب واکثر ہے۔ ثانیاً: ہوائی سزا بھگتنے والا بھی بالآخر کسی نہ کسی وقت زمین پر آ ہی جائے گا۔ بعینہٖ عالم برزخ میں بھی ثواب وعذاب کا ملنا برحق ہے، خواہ کسی کو یہ زمینی گڑھے (قبر) میں ملے یا نہ ملے؟ جس فوت شدہ شخص کو یہ زمینی قبر نہ ملے، اسے دلیل بنا کر اس زمینی قبر میں ہونے والی کارروائی کا انکار کر کے کسی نئی قبر (جیسے فرقہ عثمانیہ نے برزخی قبر کا تصور پیش کیا ہے) میں عذاب یا ثواب دیے جانے کا نظریہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک برزخ میں ہونے والے عذاب کو عذابِ قبر کہنے کی بات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اوّلاً قبروں میں مردوں کا دفن ہونا اَغلب واکثر ہے، ثانیاً: جنہیں فی الوقت قبر نہیں ملی، کسی تابوت یا چارپائی پر رکھا گیا ہے وہ بھی ایک نہ ایک دن اسی زمین میں چلے جائیں گے جو آخر کار ان کے لیے قبر بن جائے گی اور پھر حشر کے دن سارے اسی زمینی قبروں سے ہی اُٹھائے جائیں گے: ﴿مِنۡهَا خَلَقۡنَاكُمۡ وَفِيهَا نُعِيدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً أُخۡرَىٰ﴾ (طٰہٰ:۵۵) اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ (قیامت کے دن) ہم تمہیں نکالیں گے۔''

- عالم برزخ عالم آخرت ہی کا حصہ ہے، کتاب وسنت میں اس کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مؤمن بندے کی موت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: «وإن العبد المومن إذا كان في انقطاع من الدنيا وإقبال الآخرة» (صحیح بخاری: رقم ۴۴۵۱)

''بے شک مؤمن بندہ جب دنیا سے کوچ کرنے لگتا ہے اور آخرت کی طرف روانہ ہوتا ہے۔''

ایک اور فرمانِ نبویؐ ہے: «ان القبر أول منزل من منازل الآخرة»

''بے شک قبر آخرت کی گھاٹیوں میں سے پہلے گھاٹی ہے۔'' (ترمذی، کتاب الزہد، رقم ۲۳۰۸)

معلوم ہوا کہ عالم برزخ عالم آخرت ہی کا حصہ ہے، اسی لئے عالم برزخ کو آخرت کا مقدمہ بھی کہا جاتا ہے۔ عالم آخرت یا عالم برزخ میں ہونے والی ساری کارروائی کا تعلق پردۂ

www.KitaboSunnat.com

غیب سے ہے، اور غیب کی خبروں کا علم وحی الٰہی کے بغیر ناممکن ہے، اس لیے بحیثیتِ مسلمان ہم سب پر ضروری ہے کہ احوالِ آخرت کے بارے جس قدر اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے ہمیں علم دیا ہے، اس پر بلا چوں چرا، من وعن بغیر کسی تحریف، تمثیل اور کیفیت کے ایمان لایا جائے، کیونکہ ربّ العالمین نے نیک لوگوں کی پہلی صفت ہی یہ بیان فرمائی ہے کہ ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ (البقرۃ:۳) ''وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔''

البتہ اس حد تک عالم برزخ کی کیفیت کا تذکرہ جو خود زبانِ رسالتؐ سے ہمیں علم ہوا ہے، اس کی تفصیلات ہم آگے اپنے مقام پر پیش کریں گے۔

قبر کیا ہے؟

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ میت کے لئے برزخ تو ظرفِ زمان ہے جبکہ قبر ظرفِ مکان ہے۔ تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک قبر زمین کے اسی حصہ کا نام ہے جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر مردہ انسان کے مدفن یعنی جائے دفن کو 'قبر' کہتے ہیں۔

لغت سے استدلال: لغت میں بھی انسان کے مدفن ہی کو قبر کہا گیا ہے، مثلاً دیکھیں: المنجد مادّہ قبر، مترادفات القرآن: ص۶۲۳، مفردات القرآن اُردو ص۸۲۰، فیروز اللغات ص۵۵۰ اور مصباح اللغات ص۶۵۴ وغیرہ

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ اپنی صحیح میں قبر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقول الله عزوجل: ﴿فأقبره﴾أقبرت الرجل: إذا جعلت له قبرا وقبَّرته: دفنته ﴿كفاتا﴾ يكونون فيها أحياء ويدفنون فيها أمواتا

''(سورۂ عبس میں) اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَأَقْبَرَهُ﴾ (کی تشریح یہ ہے کہ یہ عرب کا محاورہ ہے) جب کوئی کسی کے لئے قبر بنائے، تو اس وقت کہتا ہے: أقبرت الرجل ''یعنی میں نے آدمی کی قبر بنائی'' اور قبَّرتُه کے معنی ہیں: ''میں نے اسے دفن کیا۔'' (سورۂ مرسلات میں) ﴿كِفَاتًا﴾ کے لفظ (کے معنی یہ ہیں) ''کہ زندگی بھی زمین ہی پر گزاروگے، اور مرنے کے بعد بھی اسی میں دفن ہوگے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي ﷺ وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما)

www.KitaboSunnat.com

قرآنِ کریم سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قبر سے مراد وہی گڑھا ہے، جو زمین میں کھودا جاتا ہے:

① ﴿وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ (التوبہ:۸۴)

''اور آپ ان (منافقین) میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔''

② ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (الفاطر:۲۲)

''اور آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔''

③ ﴿كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ﴾ (الممتحنہ:۱۳)

''جیسے کفار اہل قبر سے مایوس ہو چکے ہیں۔''

④ ﴿ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ﴾ (عبس:۲۱) ''پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں دفن کیا۔''

⑤ ﴿وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ﴾ (الانفطار:۴) ''اور جب قبریں اُکھاڑ دی جائیں گی۔''

⑥ ﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (التکاثر:۲) ''یہاں تک کہ تم قبریں دیکھ لو۔''

⑦ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (الحج:۷)

''اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی قبر والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔''

⑧ ﴿أَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ﴾ (العادیات:۹)

''کیا وہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں جو کچھ ہے، وہ نکال لیا جائے گا۔''

تمام مفسرین کے نزدیک بالاتفاق قبر ، قبور اور مقابر سے مراد فوت شدہ انسان کی جائے دفن ہی ہے۔

احادیثِ نبویہؐ کی روشنی میں

جس طرح قرآنِ مجید میں لفظ 'قبر' کا اطلاق اسی معروف زمینی قبر پر کیا گیا ہے، ایسے ہی بے شمار احادیث ایسی ہیں جن میں 'قبر' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ قبر سے مراد مردہ انسان کا مدفن ہی ہے۔ ذیل میں اسی سلسلے کی صرف چند احادیث بیان کی جارہی ہیں:

① عن أبي هريرة أن رسول اللهﷺ قال: «قاتل الله اليهود اتخذوا قبور أنبياء هم مساجد» (صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ، رقم:۴۳۷)

''سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں، کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہودیوں کو اللہ

تعالیٰ ہلاک کرے، انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد (سجدہ گاہ) بنالیا۔''

② عن جابر قال: «نهٰى رسول اللهﷺعن تجصيص القبور»

(ابن ماجہ، کتاب الجنائز، رقم ۱۵۶۲، صححہ البانی)

''سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو چونا گچ کرنے سے منع فرمایا۔''

③ عن أبي هريرة قال: زار النبي ﷺ قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال: «استاذنت ربي في أن استغفرلها فلم يؤذن لي واستاذنته في أن أزور قبرها فأذن لي فزوروا القبور فإنها تذكر الموت» (صحیح مسلم: رقم ۹۷۲)

''سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے، خود بھی روئے اور گرد وپیش لوگوں کو بھی رُلا دیا۔ پھر فرمایا: ''کہ میں نے اپنے ربّ سے اپنی والدہ کے حق میں استغفار کی اجازت چاہی، لیکن نہ ملی۔ پھر زیارتِ قبر کی اجازت چاہی تو اجازت مل گئی، چنانچہ قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ تمہیں موت یاد دلاتی ہیں۔''

لغتِ عرب، قرآنِ مجید کی آیات اور بے شمار احادیث سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ قبر سے مراد یہی زمینی گڑھا ہے۔ جب قبر سے مراد یہی زمینی قبر ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ اسی قبر میں نکیرین آتے ہیں، اسی میں سوال و جواب ہوتے ہیں، اس کے بعد پھر اسی قبر کو اعمال کے مطابق جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا بنا دیا جاتا ہے۔ اس قبر کے علاوہ کسی اور قبر کا دعویٰ کرنا، جیسا کہ بعض لوگوں نے 'برزخی قبر' کا دعویٰ کیا ہے، سراسر کتاب وسنت کے منافی ہے اور اتنا بودا اور کمزور ہے، جیسے تارِ عنکبوت۔

عذابِ قبر کی دو اقسام

❶ **دائمی عذاب:** اس سے مراد ایسا عذاب ہے جو موت سے لے کر قیامت تک کفار کو دیا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا آلِ فرعون کے متعلق ارشاد ہے:

﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (المؤمن: ۴۵،۴۶)

''اور آلِ فرعون پر بُری طرح کا عذاب الٹ پڑا، آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح وشام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا کہ) آلِ فرعون کو سخت عذاب میں ڈال دو۔''

ایسے ہی قومِ نوح کے متعلق فرمایا:

﴿مِمَّا خَطِيٓـَٔتِهِمْ أُغْرِقُوا۟ فَأُدْخِلُوا۟ نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا۟ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَنصَارًا﴾ (نوح:۲۵) ''اور وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈبو دیئے گئے پھر آگ میں داخل کردیئے گئے ہیں پس نہ پایا انہوں نے اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مدد کرنے والا۔''

منافقین بھی اس دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی حدیث میں ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

«وإن كان منافقا قال سمعت الناس يقولون فقلت مثله لا أدري فيقولان: قد كنا نعلم أنك تقول ذلك . فيقال للأرض التئمي عليه فتلتئم عليه فتختلف فيها أضلاعه فلا يزال فيها معذبا حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك» (جامع ترمذی: رقم ۱۰۷۱، حسنہ الالبانی)

''اگر مرنے والا منافق ہو تو وہ (فرشتوں کے سوال کے جواب میں) کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو (حضرت محمد ﷺ کے بارے میں) کچھ کہتے ہوئے سنا تھا پس میں بھی وہ کچھ کہتا تھا، اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ فرشتے کہتے ہیں: ہمیں معلوم تھا کہ تو جواب میں یہی کچھ کہے گا۔ پھر زمین کو (اللہ کی طرف سے) حکم دیا جاتا ہے: اسے جکڑ لے۔ پس قبر اسے جکڑ لیتی ہے اس کی ایک طرف پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں پیوست ہوجاتی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ اسے اس کی قبر سے اُٹھا کھڑا کرے گا۔''

بعض کبائر کے مرتکب مسلمان بھی قبر کے دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے، جیسا کہ سیدنا سمرہ بن جندبؓ کی بیان کردہ ایک طویل حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔ مکمل حدیث کے بیان کرنے سے تو یہ سطور قاصر ہیں، تاہم حدیث کا ایک ٹکڑا یہاں درج کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص سر کے بل لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص ایک بڑا سا پتھر لئے اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اس پتھر سے وہ لیٹے ہوئے شخص کے سر کو کچل دیتا تھا۔ جب وہ اس کے سر پر پتھر مارتا تو پتھر سر پر لگ کر دور جا گرتا اور وہ اسے اُٹھا کر لاتا۔ ابھی پتھر لے کر واپس بھی نہیں آتا تھا کہ سر دوبارہ درست ہوجاتا۔ بالکل ویسا ہی، جیسا پہلے تھا، واپس آکر وہ اسے مارتا۔ (نبی کریم ﷺ کے استفسار پر فرشتے نے کہا کہ) ''فرجل علّمه الله القرآن فنام عنه

www.KitaboSunnat.com

باللیل ولم یعمل فیه بالنهار یفعل به إلی یوم القیامة" (صحیح بخاری: رقم ۱۳۸۶)

''یہ وہ انسان تھا جسے اللہ نے قرآن کا علم دیا تھا لیکن وہ رات کو پڑا سوتا رہتا، دن میں ان پر عمل نہیں کرتا تھا، اسے یہ عذاب قیامت تک ہوتا رہے گا۔''

❷ **وقتی عذاب:** حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''دوسری قسم کا عذابِ قبر وقتی ہے جو ہلکے گناہ والوں پر ان کے گناہوں کے مطابق ایک مقررہ وقت تک ہوتا ہے اور پھر موقوف ہوجاتا ہے، جیسا کہ گناہ گاروں کو ایک خاص وقت تک جہنم میں عذاب ہوگا اور پھر موقوف کردیا جائے گا۔ وقتی عذابِ قبر میت کے لئے دعاے استغفار یا اسکی اولاد کے صدقہ وغیرہ سے بھی موقوف ہوجاتا ہے۔'' (کتاب الروح، ص ۱۶۵)

عذابِ قبر کی مختلف صورتیں

کفار اور دیگر گناہ گاروں کو قبر میں ملنے والے عذاب کی مختلف صورتیں ہیں:

① **آگ کے لباس اور بستر کا عذاب:**

سیدنا براء بن عازبؓ سے مروی لمبی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''قبر میں کافر کی روح جب لوٹائی جاتی ہے تو «ویأتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له: من ربك؟ فیقول: هاه هاه لا أدري. قال فیقولان: ما دینك؟ فیقول: هاه هاه لا أدري. قال: فیقولان له: ماهذا الرجل الذي بعث فیکم؟ فیقول: هاه هاه لا أدري؟ فینادي مناد من السمآء: أن کذب فأفرشوه من النار (وألبسوه من النار) وافتحوا له بابا إلی النار فیأتیه من حرِّها وسُمومها، ویُضیَّقُ علیه قبره حتی تختلف فیه أضلاعه، ویأتیه رجل قبیح الوجه قبیح الثیاب مُنتن الریح فیقول: أبشر بالذي یسوء ك هذا یومك الذي کنت توعد فیقول: من أنت فوجهك الوجه القبیح یجيء بالشر. فیقول: أنا عملك الخبیث. فیقول: رب لا تقم الساعة»

(مسند احمد: ۲۸۸/۴، رقم: ۱۸۷۳۳ بطوله صحّحه الألباني)

''اور کافر کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بیٹھا کر پوچھتے ہیں: ''تیرا ربّ کون ہے؟'' وہ کہتا ہے: ''ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔'' فرشتے پوچھتے ہیں: ''تیرا دین کون سا ہے؟''

کافر کہتا ہے: ''ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔'' فرشتے پوچھتے ہیں: ''وہ شخص جو تمہارے درمیان مبعوث کئے گئے تھے، وہ کون تھے؟'' کافر کہتا ہے: ''ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔'' آسمان سے منادی کی آواز آتی ہے کہ اس نے جھوٹ کہا ہے۔ اس کے لئے آگ کا بستر بچھا دو، اسے آگ کا لباس پہنا دو، اس کے لئے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جہنم کی گرم اور زہریلی ہوا اسے آنے لگتی ہے۔ اس کی قبر اس پر تنگ کردی جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں پیوست ہوجاتی ہیں۔ پھر اس کے پاس ایک بدصورت، غلیظ کپڑوں اور بدترین بدبو والا شخص آتا اور کہتا ہے: ''تجھے بُرے انجام کی بشارت ہو، یہ ہے وہ دن جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کافر کہتا ہے: تو کون ہے؟ تیرا چہرہ بڑا ہی بھیانک ہے۔ تو (میرے لئے) برائی کا پیغام لے کر آیا ہے، وہ جواب میں کہتا ہے: ''میں تیرے اعمال ہوں۔'' تب کافر کہتا ہے: اے میرے ربّ! قیامت قائم نہ کرنا۔''

② لوہے کے ہتھوڑوں سے مارے جانے کا عذاب:

سیدنا انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا:

«العبد إذا وضع في قبره وتُوُلِّيَ وذهب أصحابه حتى أنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه فيقولان: ما كنت تقول في هذا الرجل محمد ﷺ؟ فيقول: أشهد أنه عبد الله ورسوله، فيقال: اُنظر إلى مقعدك من النار اَبدلك الله به مقعدا من الجنة» قال النبي ﷺ «فيراهما جميعا، وأما الكافر أو المنافق فيقول: لا أدري كنت أقول ما يقول الناس، فيقال: لا دريت ولا تليت، ثم يضرب بمِطرقة من حديد ضربةً بين أذنيه فيصيح صيحة يسمعها من يليه إلا الثقلين» (صحیح بخاری: رقم ۱۳۳۸)

''جب بندہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس پلٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: ''تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟'' (یعنی محمدﷺ کے بارے میں) بندہ کہتا ہے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں۔'' پھر اسے کہا جاتا ہے: ''دیکھ جہنم میں تیری جگہ یہ تھی جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت میں جگہ عنایت فرما دی۔'' چنانچہ وہ اپنے دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور کافر یا منافق (منکر نکیر کے جواب میں) کہتا ہے: ''مجھے

www.KitaboSunnat.com

معلوم نہیں (محمد ﷺ کون ہیں؟) میں وہی کچھ کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔'' چنانچہ اسے کہا جاتا ہے: ''تو نے (قرآن و حدیث کو) سمجھا، نہ پڑھا۔'' پھر اس کے دونوں کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے مارا جاتا ہے اور وہ بُری طرح چیخ اُٹھتا ہے۔ اس کی آواز جن وانس کے علاوہ آس پاس کی ساری مخلوق سنتی ہے۔''

③ قبر کے شکنجے میں جکڑے جانے کا عذاب:

سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی مکمل حدیث پانچ صفحات قبل ذکر ہو چکی ہے، جس میں ہے کہ
«فيقال للأرض التئمي عليه فتلتئم عليه فتختلف أضلاعه» (ترمذی:۱۰۷۱)
''پھر زمین کو (اللہ کی طرف سے) حکم دیا جاتا ہے کہ اسے جکڑ لے، پس وہ اسے جکڑ لیتی ہے۔ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ الخ''

④ سانپوں اور بچھوؤں کے ڈسنے کا عذاب:

سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«وإن كان من أهل الشك قال: لا أدري سمعت الناس يقولون شيئا فقلته فيقال له: على الشك حييتَ وعليه متَّ وعليه تُبعث . ثم يفتح له باب إلى النار وتسلط عليه عقارب وتنانين لو نفخ أحدهم على الدنيا ما أنبتت شيئا تنهشه وتؤمر الأرض فتنضم عليه حتى تختلف أضلاعه»
(مجمع الزوائد:۵۲/۳، الترغیب والترہیب)
''اور مردہ (اللہ اور رسولؐ کے متعلق) شک کرنے والوں میں سے ہو تو وہ (منکر نکیر کے سوالوں کے جواب میں) کہتا ہے: میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا تھا اور میں نے بھی وہی بات کہی۔ اسے کہا جاتا ہے کہ شک پر تو زندہ رہا، شک پر ہی تیری موت ہوئی اور شک پر ہی تو دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ پھر اس کی قبر کے لئے جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس پر اس قدر زہریلے بچھو اور اژدہا مسلط کر دیے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک زمین پر پھونک مار دے تو کوئی چیز پیدا نہ ہو۔ چنانچہ وہ بچھو اور اژدہے اسے کاٹتے رہتے ہیں۔ زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس پر تنگ ہو جا، چنانچہ (زمین اس پر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ) اسکی ایک طرف کی پسلیاں دوسری پسلیوں میں دھنس جاتی ہیں۔'' العیاذ باللہ

www.KitaboSunnat.com

دارالافتاء

مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی

◉ عیدگاہ کے لئے جگہ روک رکھنا ◉ رکعت کا درمیانی سجدہ رہ جائے تو؟
◉ پانی کی ٹینکی میں چھپکلی مرجائے تو؟ ◉ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا؟

سجدۂ سہو کی مختلف صورتیں

❀ سوال: بارہا دفعہ مختلف مکاتبِ فکر کی مساجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ہر مسلک کے ائمہ کرام 'سجدۂ سہو' مختلف انداز سے اَدا فرماتے ہیں۔ براہِ کرام 'سجدۂ سہو' کس وقت اور کیونکر کیا جاتا ہے؟ اس میں کیا پڑھا جاتا اور سلام کس وقت پھیرتے ہیں؟ (محمد صدیق طارق، راولپنڈی)

جواب: سجدۂ سہو احادیث میں جس طرح وارد ہے، ویسے ہی کرنا چاہئے۔ پس اگر ایک شخص بھول کر دو یا تین رکعات پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیتا ہے تو اسے حضرت ابوہریرہؓ اور عمرانؓ کی حدیث کے مطابق نماز مکمل کر کے سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنا چاہئے۔ اگر وہ دو رکعت پڑھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور بیٹھا نہیں تو اسے نماز مکمل کر لینے کے بعد ابن بحینہ کی حدیث کی رُو سے سلام سے پہلے سجدہ کرنا چاہئے۔ اور اگر اسے شک ہو کہ آیا اس نے تین رکعات پڑھیں ہیں یا چار؟ تو اسے یقین پر اعتماد کرتے ہوئے ابوسعیدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی حدیث کی رو سے سلام سے قبل سجدہ کرنا ہوگا اور اگر اسے شک واقع ہو مگر اسے یہ بالکل علم نہیں ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں ادا کی ہیں تو وہ ظن غالب پر بنا کرتے ہوئے نماز پوری کرے اور حدیث ابن مسعودؓ کے مطابق سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے۔ اس طرح سب احادیث پر عمل ہو جائے گا۔

مذکورہ صورتوں کے علاوہ اگر کوئی اور صورت پیش آ جاتی ہے تو وہ مذکورہ صورتوں میں سے جس صورت کے قریب ہوگی، اس کا حکم اس صورت کا حکم ہوگا۔ (صحیح ابن حبان: ۱/۱۹۵،۱۹۶)

علامہ شوکانیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ مگر ابن حبانؒ اور ان کے قول میں فرق یہ ہے کہ اُنہوں نے نئی پیش آمدہ صورت میں 'ہر دو طرح درست ہے' کو اختیار کیا ہے، یعنی اس صورت میں سجدۂ سہو سلام سے پہلے یا بعد میں، ہر طرح اختیار ہے۔ واضح رہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف فضیلت کی

www.KitaboSunnat.com

حد تک ہے۔ یعنی سجدۂ سہو سلام سے قبل افضل ہے یا سلام کے بعد۔ رہا جواز تو اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار: ۱۱۲/۳ بحوالہ القول المقبول: ص ۵۱۱

واضح ہو کہ سجدۂ سہو سلام سے قبل یا بعد کرنے کا ذکر تو آپ احادیث میں ملاحظہ فرما چکے البتہ صرف ایک ہی طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنا سنت سے ثابت نہیں۔ اور سجدۂ سہو میں تسبیح وہی ہے جو عام حالات میں پڑھی جاتی ہے۔

عیدگاہ کے لئے جگہ روک رکھنا

❁ سوال: آج کل اکثر شہروں اور دیہات میں رواج ہے کہ عیدین پڑھنے کے لئے گاؤں کے باہر، کہیں مناسب جگہ پر کچھ زمین حاصل کرکے اسے عیدگاہ کے طور پر مخصوص کر لیا جاتا ہے اور اس کے اردگرد چاردیواری کر لی جاتی ہے۔ وہ سارا سال بیکار پڑی رہتی ہے۔ صرف سال میں دو مرتبہ اس میں عید پڑھی جاتی ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ کیا کھلی جگہ پر عید پڑھنا لازمی ہے؟ (غلام حسین تہاڑیا، قصور)

جواب: نمازِ عید کھلی جگہ جنگل میں یا ایسی جگہ جہاں چار دیواری نہ ہو، کھلے میدان میں پڑھنے کی سعی کرنی چاہئے۔ بصورتِ دیگر جیسے بھی ممکن ہو نمازِ عید پڑھی جاسکتی۔ لیکن سال بھر مخصوص ایام کے لئے جگہ روکے رکھنا درست فعل نہیں۔

کسی رکعت کا درمیانی سجدہ رہ جائے تو؟

❁ سوال: اگر کسی نمازی سے پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ رہ جائے، پھر نماز کے بعد اس کو بتایا گیا تو اب وہ کیا کرے؟

جواب: ہمارے شیخ محدث روپڑیؒ فرماتے ہیں کہ دو سجدوں میں اگر ایک سجدہ رہ جائے تو جس رکعت میں سجدہ رہا ہے، وہیں سے نماز شروع کرے جس کی صورت یہ ہے کہ ایک سجدہ پہلے ہو چکا ہے، اب ایک اور سجدہ کرکے اس کے بعد کی رکعتیں پڑھ لے۔ پھر آخر میں التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے یا بعد میں سجدۂ سہو کرے۔ کیونکہ دونوں سجدے رکن ہیں، ایک سجدہ کے چھوٹنے سے نماز نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ اہلحدیث: ۲۸۰/۲)

www.KitaboSunnat.com

پانی کی ٹینکی میں چھپکلی مر جائے تو؟

❁ **سوال:** دو اڑھائی من پانی پر مشتمل ایک ٹینکی ہے، جس میں پانی جاری رہتا ہے۔ مثلاً موٹر کے پائپ سے پانی داخل ہوتا ہے، اور دوسری طرف خارج بھی ہوتا رہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس ٹینکی میں زندہ یا مردہ چھپکلی گر جائے یا اس میں حلال یا حرام جانور بیٹ کر دیں تو اس پانی کو استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسی صورت میں ٹینکی سے پانی نکال کر اسے صاف کر لینا چاہئے۔ پانی اصلاً پاک ہے جو دو طرح سے نجس ہوتا ہے: ① نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ، بُو اور مزہ بدل جائے تو وہ پلید ہو جاتا ہے، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ ② اندازاً پانچ مشک سے اس کی مقدار کم ہو تو نجاست گرنے سے پلید ہو جاتا ہے، خواہ رنگ، بُو اور مزا بدلے یا نہ بدلے۔

بعض اوقات پانی میں پاک شے پڑنے سے اس کا نام بدل جاتا ہے، مثلاً شربت یا عرق یا لسی وغیرہ تو اس سے وضو اور غسل نہیں ہوگا۔ البتہ اگر پانی کا نام نہ بدلے، جیسے کنوئیں میں پتے گرنے سے بھی بعض دفعہ رنگ، بُو، مزہ بدل جاتا ہے مگر اس کا نام پانی ہی رہتا ہے تو اس سے وضو، غسل وغیرہ درست ہے۔ یہی حکم پانی میں حلال جانور گرنے کا بھی ہے۔

❁ **سوال:** کیا گاڑی یا کشتی پر فرض نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب: اصل یہ ہے کہ فرض نماز زمین پر ہی ادا کی جائے۔ البتہ اضطراری حالت میں جواز ہے، تاہم کشتی میں نماز کے جواز کی تصریح موجود ہے۔

(ملاحظہ ہو: منتقى الأخبار، باب الصلاة فی السفینة، نیل الاوطار ۳/۲۱۱)

❁ **سوال:** سگریٹ یا تمباکو کے کاروبار کا کیا حکم ہے؟ (جمیل احمد فاروقی، گوجرانوالہ)

جواب: صحیح مسلک کے مطابق حقہ، سگریٹ وغیرہ حرام ہے، لہٰذا اس کا کاروبار کرنا بھی حرام ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ اہل حدیث: ۳/۳۱۸

زندگی میں اپنا حصہ وراثت نواسے کے نام کر دینا

❁ **سوال:** میرے والد صاحب نے اپنی جائیداد میں سے میری والدہ کے کہنے پر والدہ کا شرعی حصہ جو کہ ۱/۸ ہے، اپنے نواسے کے نام منتقل کر دیا۔ اب جبکہ وارث اور وراثت میں حصہ

داران سب زندہ ہیں تو واضح فرمائیں کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: بقیدِ حیات عطا کردہ چیز کا نام ہبہ ہے، وراثت نہیں۔ وراثت کا تعلق موت کے بعد سے ہے۔ معلوم نہیں والدین میں سے پہلے کس نے فوت ہونا ہے، لہٰذا والدہ کا یہ قول کہ میں اپنا شرعی حصہ شوہر کی وراثت سے نواسے کے نام منتقل کرتی ہوں، بلا فائدہ کلام ہے۔ شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ البتہ والد بذاتِ خود اپنی ملکیت سے نواسے کو کوئی چیز ہبہ کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے، کیونکہ وہ اس کا مالک ہے اور باقی حصہ داران کی بھی یہی حیثیت ہے۔

صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا

❁ **سوال:** 'تعلیم الاسلام' ص ۴۰۰ پر لکھا ہے کہ ''اے تنہا نماز پڑھنے والے تو صف میں کیوں داخل نہیں ہوگیا یا صف میں سے کسی کو کھینچ کر کیوں نہیں لایا؟ تو اپنی نماز لوٹا (اے ابولیلی) (المجمع: ج۲ ص۹۲) لیکن 'نمازِ نبوی' مرتبہ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کے صفحہ ۱۲۹ پر لکھا ہے کہ

> ''اگر صف میں جگہ ہے تو پیچھے اکیلے کی نماز نہیں ہوتی اور اگر صف میں جگہ نہیں ہے تو یہ اضطراری کیفیت ہوگی، ایسی صورت میں اکیلے ہی کھڑا ہوجانا چاہیئے، کیونکہ اگلی صف میں سے کسی کو پیچھے کھینچنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ امام مالک، احمد، اوزاعی، اسحٰق اور ابوداؤد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ صف سے آدمی کو نہ کھینچا جائے۔ البتہ ایک امام اور ایک مقتدی والے مسئلہ پر قیاس کرکے اس کا جواز ملتا ہے۔''

اس توجیہ سے اطمینان نہیں ہوا کیونکہ جب کبھی کسی امام یا مقتدی کا وضو فسخ ہوجائے تو اسے امامت سے ہٹنا اور پچھلے مقتدی کو امام بنانا ہوتا ہے اور وضو فسخ ہونے والے کو مقتدیوں کی متعدد صفوں میں سے پیچھے نکلنا ہوگا۔ لامحالہ کچھ خلل تو ہوگا پھر مل جانے سے معمولی خلل دور ہوجائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس پیچھے کھینچے گئے نمازی کی جگہ بآسانی پُر ہوسکتی ہے۔ دوسری طرف اکیلے شخص کی نماز نہیں ہوتی۔

ثانیاً: یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے اکیلے نمازی کو نماز لوٹانے کا حکم دیا تو کیا صف میں جگہ باقی تھی یا نہیں؟ پھر متذکرہ بالا شروع کی روایت میں پیچھے کھینچنے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیئے؟

www.KitaboSunnat.com

جواب: ایسے شخص کو چاہئے کہ صف میں دائیں بائیں کھڑا ہونے کی جگہ تلاش کرے۔ بصورتِ دیگر امام کی دائیں جانب کھڑا ہو۔ یہ بھی ناممکن ہو تو صف سے آدمی کھینچ لے، اگرچہ حدیث ضعیف ہے لیکن ابن عباسؓ کا نبی ﷺ کے ساتھ نمازِ تہجد والی روایت سے اتنی سی حرکت کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ (تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: 'الاعتصام' ۱۴ر ستمبر ۱۹۹۰ء)

❁ **سوال:** مولانا عبدالسلام بستوی کی کتاب 'تعلیم الاسلام' کی جلد ا رص ۲۹۱ پر لکھا ہے کہ ''نمازِ عشا میں پہلے دو یا چار رکعت سنت ہیں۔'' البتہ اس کا اُنہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا، کیا یہ صحیح ہے اور کس حوالے سے؟

جواب: اس بارے میں کوئی صحیح حدیث میری نظر سے نہیں گزری۔

فکر غامدی اپنے اُصول وفروع کے تناظر میں

ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

مؤلفین: حافظ محمد زبیر ◉ حافظ طاہر الاسلام

صفحات: ۱۱۰، قیمت: ۷۰ روپے

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے: پہلے حصے میں جاوید احمد غامدی کے مآخذِ شریعت واُصولِ دین کا نقلی و عقلی دلائل کی روشنی میں جدید اَسالیبِ تحقیق کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بھرپور ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے، جبکہ دوسرے حصے میں 'فرقہ غامدیہ' کے ان تفردات وشذوذات کا ایک علمی محاکمہ پیش کیا گیا ہے جو اُنہوں نے اجماعِ اُمت اور اہل سنت کی شاہراہ کو ترک کرتے ہوئے اختیار کیے۔ کتاب کا ٹائٹل عمدہ، کاغذ سفید اور طباعت دلنشین ہے۔

یہ کتاب فکر غامدی پر پہلی اچھوتی کاوش ہے جو ہر صاحبِ علم اور فکری ذوق رکھنے والے عالم دین ردانشور کے پڑھنے کی چیز ہے۔

رابطہ

قرآن اکیڈمی: ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 5869501

مجلس التحقیق الاسلامی: ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 5866396

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

ابوالبدر ارشادالحق اثری

صحیحین میں غناء جاریتین والی حدیث پر اہل 'اشراق' کے اعتراضات کا جواب

کتبِ احادیث میں صحیحین اور بالخصوص صحیح بخاری کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو شہرتِ دوام عطا فرمائی ہے، وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں۔ محدثین کرامؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری کی تمام روایات صحیح اور قابل احتجاج ہیں۔ اس کی احادیث کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے۔ البتہ معدودِ چند روایات اس تلقی سے خارج ہیں جن پر بعض محدثین نے اعتراض کیا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ وہ احادیث ضعیف یا مردود ہیں۔ علامہ الوزیر الیمانی نے انہی روایات کے بارے میں صاف فرمایا ہے:

"اعلم أن المختلف فيه من حديثهما هو اليسير وليس ذلك اليسير ما هو مردود بطريق قطعية ولا إجماعية بل غاية ما فيه أنه لم ينعقد عليه الإجماع" (الروض الباسم: ج۱رص۷۹)

''خوب جان لو کہ بخاری ومسلم کی یہ تھوڑی سی مختلف فیہ احادیث نہ قطعی طور پر ضعیف ہیں اور نہ ہی اجماعی طور پر، بلکہ زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ بات ہے کہ ان کی صحت پر اجماع نہیں ہوا۔''

یعنی وہ متکلم فیہ روایات بھی صحیح ہیں، البتہ ان کی صحت پر اتفاق نہیں اور وہ تلقی بالقبول کے درجہ سے کم ہوگئی ہیں۔ بالخصوص وہ روایات جن سے شیخین نے استدلال کیا ہے اور ترجمۃ الباب میں اوّل وہلہ میں اُنہیں ذکر کیا ہے، صحت کے اعتبار سے ان کا درجہ ان روایات سے فائق ہے جو متابعت اور شواہد میں مذکور ہیں۔ خود امام مسلمؒ نے بھی مقدمہ مسلم میں اس فرق کی طرف اشارہ کیا ہے اور دیگر ائمہ فن نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔

صحیحین کی متفق علیہ روایات میں ایک روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جس میں عید

www.KitaboSunnat.com

کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں جاریتین یعنی دو 'جاریہ' کے دف بجانے اور گانے کا ذکر ہے اور صحیحین ہی میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ "ولیستا بمغنیتین" وہ دونوں پیشہ ور مغنیہ نہ تھیں۔

یاد رہے کہ موسیقی کے جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے اس کی تائید وحمایت میں اربابِ اشراق نے اولاً تو ان الفاظ کو ذکر ہی نہ کیا تھا۔ہم نے بفضل اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی نشاندہی کی تو پھر اُنہوں نے ان الفاظ کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ہم نے اس حوالے سے انکے خدشات کا اِزالہ کرنے کی کوشش کی مگر اس سے بھی ان کی تشفی نہیں ہوئی۔ چنانچہ ماہنامہ 'اشراق' ستمبر ۲۰۰۶ء کے شمارہ میں اپنے خطرات کو ایک نئے اُسلوب میں پیش کیا گیا جن کے بارے میں ہم اپنی معروضات اب قارئین کرام کی خدمت میں پیش☆ کررہے ہیں۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہے اور اربابِ اشراق سے پہلے کسی محدث یا کسی صاحبِ علم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ موسیقی کے جواز کا فتویٰ اربابِ اشراق کے علاوہ بعض اور حضرات نے بھی دیا ہے، مگر اُنہیں بھی اس کی جسارت نہیں ہوئی کہ وہ اس متفق علیہ روایت کو ضعیف قرار دیں۔

☆ موسیقی کے حرمت وجواز کے سلسلے میں لکھے جانے والے مضامین میں ماہنامہ 'اشراق' مارچ ۲۰۰۶ء (ص ۳۰) میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ ''بخاری کی معروف روایت عن عائشة قالت دخل أبو بكر وعندي جاريتان من جواري الأنصار تغنيان...قالت: وليستا بمغنيتين (بخاری:۹۵۲) میں ليستا بمغنيتين کے جملے کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ درحقیقت سیدہ عائشہ کا قول ہی نہیں ہے، یہ بعد کے راویوں کا اپنا قیاس ہے۔'' بعد ازاں اسی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے عمار ناصر صاحب نے ماہنامہ اشراق کے اپریل ۲۰۰۶ء اور ستمبر ۲۰۰۶ء کے شمارہ میں مذکورہ بالا جملہ کے مُدرج ہونے کے بارے میں مزید سطور لکھیں۔

اس مضمون میں مولانا ارشاد الحق اثری نے تفصیل سے اُن تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے جو اہل اشراق اس حدیث کے بارے میں اُٹھاتے ہیں۔ پہلے اس روایت کی سند اور رجال پر بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اس حصہ کو سردست مؤخر کرتے ہوئے حلقہ اشراق کے دعوائے اِدراج اور دیگر شبہات کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔ اپنی اصل ترتیب کے ساتھ یہ مضمون الاعتصام میں بھی عنقریب شائع ہو رہا ہے۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com

حدیثِ عائشہؓ میں راوی کا تصرف

اربابِ اشراق کا اس حدیث پر پیش کردہ اشکال یہ ہے کہ یہاں "قالت: ولیستا بمُغنّیتین" یعنی اُمّ المومنین سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ دونوں پیشہ ور گانے والی نہیں تھیں، اس جملہ کے بارے میں اہل اشراق کا نقطہ نظر یہ ہے کہ

"یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہی نہیں، یہ بعد کے راویوں کا اپنا قیاس ہے جسے اُنہوں نے متن میں شامل کردیا ہے۔" (اشراق: مارچ ۲۰۰۶، ص۳۰)

ان کے اس دعویٰ کی تغلیط بحمد للہ 'الاعتصام' (جلد ۵۸/عدد ۲۹، ۳۰) میں واضح کرچکے ہیں۔ اب تازہ ارشاد جو اُنہوں نے فرمایا، طولِ بیان اور سخن سازی، جس میں ہم ان کی مہارت کے معترف ہیں، سے قطع نظر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"ذخیرۂ حدیث میں اس کی اَن گنت مثالیں پائی جاتی ہیں کہ ایک راوی کوئی روایت بیان کرتا ہے اور اس کے متن میں کوئی ایسی بات بھی شامل کردیتا ہے جس کو وہ بربنائے فہم اصل روایت کا حصہ سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ اگر کسی موقعہ پر اپنے شامل کردہ ٹکڑے کو قال یا قالت کہہ کر اوپر کے راوی کی طرف منسوب کردیتا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔" ('اشراق': ستمبر ۲۰۰۶ء، ص۲۲)

ہمیں تسلیم ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ محدثین نے اس نوعیت کی روایات کو مُدرج کی اصطلاح سے متعارف کروایا ہے اور اِدراج کے ثبوت کے لئے اُصول وضوابط مقرر کئے ہیں اور اس نوعیت کی روایات کو مستقل کتابوں میں جمع کرکے ایسی روایات کی نشاندہی کی ہے۔ افسوس ہے کہ ان ضوابط سے منحرف ہوکر بلا دلیل محض اپنی فکر کی ہم نوائی میں کسی جملہ کو مدرج قرار دینا بہت بڑی جسارت ہے۔ محترم جناب عمار خان ناصر جو اس بحث میں اشراق کے ممد ومعاون بنے ہیں اور ماشاء اللہ 'علمی نکات' سے اسے سہارا دے رہے ہیں۔ انہی کے جدِمحترم حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر صاحب رقم طراز ہیں:

"محدثین کرام کا ضابطہ ہے کہ جو جملہ حدیث کے ساتھ ہو تو وہ متصل ہی مانا جائے گا اور محض احتمال سے اِدراج ثابت نہیں ہوسکتا اور اِدراج کے اثبات کے لئے محدثین نے جو قواعد بیان کئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ مُدرج حصہ کسی دوسری روایت میں الگ آیا ہو، یا راوی صراحت سے

بیان کرے کہ یہ مُدرج ہے، یا اطلاع پانے والے اماموں میں سے کوئی اس کی تصریح کرے یا اس قول کا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہونا محال ہو۔'' (تسکین الصدور: ص ۱۸۰)

مولانا صفدر صاحب نے جو کچھ فرمایا اُصول حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اس اُصول کی روشنی میں کیا یہ حصہ کسی دوسری روایت میں الگ طور پر آیا ہے؟ قطعاً نہیں۔ کسی راوی یا محدث نے تصریح کی ہے کہ یہ فلاں راوی کی غلطی سے حدیث میں درج ہوگیا ہے؟ بالکل نہیں۔ بلکہ گیارہ سو سال سے تمام محدثین اور اہل علم اسے صحیح تسلیم کرکے اس سے استدلال کرتے رہے۔ مگر اب اہل اشراق پر یہ راز فاش ہوا ہے کہ یہ تو راوی کی غلطی سے حدیث میں درج ہوگیا ہے۔ اسی ضمن میں محترم عمار صاحب نے اپنی بات میں رنگ بھرتے ہوئے راقم کی تالیف 'توضیح الکلام' سے راقم کی ہی ایک عبارت کو اپنی موافقت میں نقل کیا کہ توضیح الکلام میں ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے راقم نے لکھا ہے:

''بعض اہل علم نے ان الفاظ کو صرف اسی بنا پر صحیح باور کرلیا ہے کہ یہ صحیح بخاری میں ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں، جبکہ صحیح بخاری و مسلم میں شیخین ایسی حدیث کو بھی لے آتے ہیں جو مقصود کے اعتبار سے تو صحیح ہوتی ہے (یعنی من حیث المجموع) اگرچہ کوئی ٹکڑا اس کا ان کے معیارِ صحت کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ اس میں بعض رواۃ کا وہم ہوتا ہے۔ صحیحین کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے والے حضرات کے لئے یہ بات نئی نہیں۔'' (ج ۱/ص ۱۲۴)

اس عبارت سے ان کا مقصد یہ ہے کہ جب راقم نے صحیحین میں بعض راویوں کے وہم کو تسلیم کیا ہے تو زیر بحث روایت میں راوی کے وہم سے انکار کیوں ہے؟ مگر ہمیں افسوس ہے کہ محترم عمار صاحب نے ہمارے موقف کی صحیح ترجمانی نہیں کی۔ صحیح بخاری میں جس وہم کا راقم نے ذکر کیا، کیا وہ راقم کا بتلایا ہوا وہم ہے یا اس وہم کا اشارہ خود امام بخاری، امام بیہقی، علامہ ابن قیم اور علامہ زیلعی نے کیا ہے؟ اس طرح صحیحین میں بعض راویوں کا وہم ذکر کرنا بھی ہیچمدان کی جسارت نہیں، اس کی نشاندہی بھی محدثین سابقینؒ نے کی ہے؟

سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جا است

اپنی بات بلکہ اپنے فیصلے کو مستحکم کرنے کے لئے یہ بھی فرمایا گیا کہ

''کسی حدیث کی صحت وضعف کو طے کرنے کا معیار نقدِ روایت کے اُصول ہیں یا ائمہ فن کے اقوال؟ آخر ائمہ فن کس بنیاد پر کسی روایت کی صحت وضعف کا فیصلہ فرماتے ہیں؟ اگر ان کے فیصلوں کی بنیاد وحی والہام کے بجائے دلائل وشواہد پر ہوتی ہے تو دلائل کی روشنی میں ان کی رائے سے اختلاف کیوں نہیں کیا جاسکتا......؟''

علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں: ''ابن الصباغ نے کہا ہے کہ اگر راوی اضافہ بیان کرے، جبکہ اس کے بغیر روایت کرنے والے راوی ایک ایسی جماعت ہو جس کا وہم میں مبتلا ہوجانا بعید از قیاس ہو یا ان جیسے راویوں کا اس جیسی بات کو نقل کرنے سے غافل رہ جانا عادتاً ممکن نہ ہو تو زیادت ناقابل اعتبار قرار پائے گی۔'' ابن السمعانی نے بھی یہی بات کہی ہے اور اس پر اتنا اضافہ کیا ہے کہ ''وہ بات ایسی ہو کہ اس کو نقل کرنے کے محرکات اور دواعی بھی کافی پائے جاتے ہیں۔'' ہم نے اسی اُصول پر ہشام کی روایت میں ابواسامہ کے اضافہ کردہ جملے ''قالت: وليستا بمغنيتين'' کو ابواسامہ کا وہم قرار دیا ہے۔'' (اِشراق: ستمبر۲۰۰۶ء،ص۳۴)

بلا شبہ کسی روایت کو پرکھنے اور اس پر صحت وضعف کا حکم لگانے کے اُصول ہیں اور انہی اُصولوں کی بنا پر ہی محدثین رحمہم اللہ نے کسی حدیث پر صحت وضعف کا حکم لگایا ہے۔ اور یہ حکم لگانے والوں میں بعض وہ ہیں جن کا حزم واحتیاط اور ان کا تتبع سب کے ہاں مسلم ہے۔ پھر تنہا ان کے حکم پر ہی کیا موقوف، متاخرین نے بھی انہی اُصولوں کے تحت ان روایات کا مزید جائزہ لیا اور ان کی موافقت کی۔ متقدمین کی نگاہوں میں ذخیرۂ احادیث تھا۔ ایک ایک روایت کی متعدد اسانید اُنہیں ازبر تھیں۔ اور یوں لاکھوں احادیث کے وہ حافظ تھے۔ جیسا کہ تاریخ وتراجم کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس کے برعکس چند مطبوعہ کتابوں کی ورق گردانی سے ان سابقین محدثین کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ دینا خودسری ہے اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ 'سبیل المومنین' سے انحراف ہے۔ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں:

''وليعلم أن تحسين المتأخرين وتصحيحهم لايوازي تحسين المتقدمين فإنهم كانوا أعرف بحال الرواة لقرب عهدهم بهم، فكانوا يحكمون ما يحكمون به بعد تثبت تام ومعرفة جزئية ، أما المتأخرون فليس عندهم من أمرهم غيرالأثر بعد العين، فلا يحكمون إلا بعد

www.KitaboSunnat.com

مطالعة أحوالهم في الأوراق، وأنت تعلم أنه كم من فرق بين المجرب والحكيم، وما يغني السواد الذي في البياض عند المتأخرين عما عند المتقدمين من العلم على أحوالهم كالعيان، فإنهم أدركوا الرواة بأنفسهم فاستغنوا عن التسآؤل والأخذ عن أخواه الناس، فهؤلاء أعرف الناس فبهم العبرة" (فیض الباری: ج۴ص۴۱۴)

''یہ بات خوب جان لیں کہ متاخرین کی تحسین اور تصحیح متقدمین کی تحسین کے برابر نہیں کیونکہ متقدمین قربِ عہد کی بنا پر راویوں کے اَحوال کو زیادہ جانتے تھے، وہ جو بھی فیصلہ فرماتے، پورے احتیاط اور اس کی جزئیات کو معلوم کرنے کے بعد فیصلے فرماتے تھے۔(متاخرین کی طرح) وہ اَوراق میں لکھے ہوئے راویوں کے اَحوال دیکھ کر فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ ایک تجربہ کار اور حکیم کے مابین کیا فرق ہے؟ متقدمین کے پاس راویوں کو براہِ راست پرکھنے کا جو علم تھا، اس کے مقابلے میں متاخرین کے نزدیک کتابوں میں لکھا ہوا علم فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ متقدمین کو براہِ راست راویوں سے سابقہ پڑا ہے۔ وہ کسی اور سے پوچھنے اور سوال کرنے سے مستغنی تھے۔ وہی راویوں کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ لہٰذا انہی کی بات قابل اعتبار ہے۔''

مگر ہم نے تو عرض کیا کہ روایت زیر بحث کو متقدمین کیا متاخرین، سوائے اہل اشراق کے، سب صحیح تسلیم کرتے رہے ہیں اور جس اُصول کی بنا پر آج عمل جراحی شروع ہوا ہے، وہ آخر ان کے پیش نظر بھی تھا یا نہیں؟

پھر جہاں تک اس اُصول کا ذکر ہے جسے تدریب الراوی (ج۱ص۲۴۶) کے حوالے سے علامہ ابن صباغ سے نقل کیا گیا ہے۔ تو اس بارے میں بھی اہل اشراق نے بڑا گھپلا کیا ہے اور اس کی محترم عمار صاحب سے قطعاً توقع نہ تھی۔ پہلے یہی دیکھئے کہ علامہ ابونصر ابن الصباغ جن کا نام عبدالسید بن محمد بن عبدالواحد ہے، وہ ۴۷۷ھ میں فوت ہوئے۔ پانچویں صدی ہجری کے وہ معروف شافعی فقیہ ہیں۔ ابن السمعانی ان سے بھی متاخر ہیں۔ محترم عمار صاحب کو آخر پانچویں صدی ہجری میں بیان کیا ہوا اُصول ہی کیوں نظر آیا؟ کیا اس تدریب الراوی میں کوئی اور اُصول بیان نہیں ہوا؟ کہ اُنہوں نے اسی کو نقل کرنے کی زحمت فرمائی ہے۔

جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اسی تدریب الراوی میں سب سے پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ جمہور فقہا اور محدثین مطلقاً ثقہ کی زیادت (اضافے) کو قبول کرتے ہیں بلکہ ابن طاہر نے تو اس پر اتفاق کا دعویٰ کردیا ہے۔ کاش محترم عمار صاحب نے اس حوالے سے اپنے دادا جان حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر صاحب سے ہی دریافت کرلیا ہوتا کہ یہ مسئلہ کیا ہے۔ ان جیسے بحاث اور ناقد سے یہ توقع تو نہیں کہ وہ اپنے دادا جان کے فیصلے سے بے خبر ہوں گے۔ تاہم عرض ہے کہ اُنہوں (مولانا سرفراز صفدر صاحب) نے دو اڑھائی صفحات میں متعدد حوالے نقل کرکے، جن میں تدریب الراوی کا بھی حوالہ ہے، فرمایا ہے:

''محدثین کرام فقہائے عظام اور اربابِ اُصول کا یہ اتفاقی، اجتماعی اور طے شدہ قاعدہ ہے کہ جب راوی ثقہ اور حافظ ہو اور وہ زیادت کرے تو مطلقاً اس کی روایت مقبول ہے۔''

(احسن الکلام: ج۱ر ص۱۹۶، طبع دوم)

ہماری طرح ممکن ہے جناب محترم عمار صاحب کو دادا جان کے اس دعویٰ 'اتفاق و اجماع' سے اختلاف ہو۔ لیکن اس سے یہ بات تو ظاہر ہوگئی کہ علامہ ابن صباغ اور ابن السمعانی کے برعکس رائے رکھنے والے کون اور کتنے ہیں؟

مزید یہ کہ تدریب الراوی کی اس مبحث میں علامہ سیوطیؒ نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد بالآخر شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے:

”والمنقول عن أئمة الحديث المتقدمين كابن مهدي ويحيٰى القطان وأحمد وابن معين وابن المديني والبخاري وأبي زرعة وأبي حاتم والنسائي والدارقطني وغيرهم اعتبار الترجيح فيما يتعلق بالزيادة المنافية بحيث يلزم من قبولها ردّ الرواية الأخرى“ (تدریب الراوی: ج۱ر ص۲۴۶)

''متقدمین ائمہ حدیث، جیسا کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام یحییٰ بن سعید قطان، امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن مدینی، امام بخاری، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم، امام نسائی، امام دارقطنی وغیرہم سے منقول ہے کہ جو زیادت (دوسری روایات کے) منافی ہے، اس میں ترجیح کا اعتبار ہے، بایں طور کہ اس کے قبول کرنے سے دوسری روایت کی تردید لازم آتی ہو۔''

یعنی اگر وہ زیادت دوسری روایات کے منافی ہے تو مقبول نہیں، اگر منافی نہیں تو وہ مقبول

ہے۔ یہ ہے متقدمین محدثین رحمہم اللہ کا فیصلہ، جماعت کے مقابلے میں ایک کی روایت میں خطا کا بلاشبہ احتمال ہے۔ مگر یہ تب ہے جب وہ اَحفظ اور ثبت نہ ہو اور اس کی زیادتی دوسری روایت کے منافی ہو۔ اسی اُصول کے مطابق محدثین نے ابو اُسامہ کی روایت کو قبول کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ اُنہوں نے کوئی بے اُصولی نہیں کی، یہ بھی بایں طور کہ ابواسامہ مطبوعہ کتابوں میں ہمیں تنہا نظر آتا ہے۔ احادیث تو محفوظ ہیں مگر ان کے تمام طرق محفوظ نہیں۔ پھر ابواسامہ حماد بن اُسامہ تو وہ ہیں جن کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں: "أبو أسامة ثقة"

"ابواسامہ ثقہ ہیں اور ہشام سے باکثرت روایات بیان کرتے ہیں۔ اُنہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ابواسامہ سے بڑھ کر ہشام سے روایت کرنے اور اس سے بہتر روایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔" (شرح العلل لابن رجب: ج۲ ص۲۸۰)

ہشام سے روایت کرنے میں ان کے اختصاص کا یہ عالم تھا کہ وہ ان سے چھ سو احادیث بیان کرتے تھے۔ ۷۰ کے قریب وہ روایات ہیں جو بخاری اور مسلم میں ہیں۔ امام احمد ہی فرماتے ہیں: "كان ثبتا ما كان أثبته لا يكاد يخطئ"

"ابواسامہ ثبت تھے، وہ اس قدر ثبت تھے کہ خطا نہیں کرتے تھے۔"

امام احمدؒ ہی سے ان کے اور امام ابوعاصم ضحاک بن مخلد جیسے ثقہ وثبت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اُنہوں نے فرمایا: "ابواسامہ تو ابوعاصم جیسے ۱۰۰ ہوں، ان سے بھی ثبت ہیں۔ ابواسامہ ضابط تھے، صحیح الکتاب تھے۔" گویا امام ابواسامہ احادیث لکھتے تھے۔ وہ خود بھی ثبت اور ان کی کتاب بھی صحیح تھی، وہ خود فرماتے ہیں: "میں نے اپنی ان انگلیوں سے ایک لاکھ احادیث لکھی ہیں۔" ملاحظہ ہو التہذیب: ج۳ ص۲،۳؛ السیر: ج۹ ص۲۷۸؛ التذکرۃ: ج۱ ص۳۲۱ وغیرہ۔ لہٰذا جب وہ ثقہ اور ثبت، ہشام سے روایت کرنے میں پیش پیش، اور صحیح الکتاب تھے۔ ان کی روایت میں یہ جملہ کسی بھی روایت کے معارض ومخالف نہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر محدثین کرام نے ان کی بیان کردہ اس روایت پر اعتماد کیا۔ لیکن چونکہ اربابِ اشراق کے لئے یہ جملہ سوہانِ روح ہے، اسی لئے وہ اسے صحیح تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ محدثین کے فیصلے کو اُصول سے انحراف تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ محدثین نے

www.KitaboSunnat.com

اسے صحیح کہنے میں اپنے کسی اُصول سے انحراف نہیں کیا۔ پانچویں صدی میں ابن الصباغ کے قول کو محدثین کا فیصلہ اور اُصول قرار دینا بجائے خود درست نہیں۔

ایک اور گھپلا

یہی نہیں، اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ محترم عمار صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے بیان کئے ہوئے اُصول ہی کے تحت اُمّ المومنین کی زیربحث روایت میں ایک دوسرے راوی کے بیان کردہ اضافے پر ہماری تنقید سے راقم نے اتفاق کیا ہے کہ اسحق بن راشد نے ابن شہاب زہری سے روایت میں دوسرے تلامذہ کے خلاف یہ اضافہ کیا ہے کہ: ابوبکر نے دونوں لونڈیوں کو بُرا بھلا کہا اور ان کے دف پھاڑ دیے۔ اس حوالے سے راقم نے عرض کیا تھا کہ

> ''اسحق بن راشد گو ثقہ ہیں، تاہم امام زہریؒ سے روایت کرنے میں ان کے کچھ اوہام ہیں اور یہ روایت بھی اسحق بن راشد نے امام زہری سے ہی بیان کی ہے۔''

اسی عبارت کو محترم عمار صاحب نے اپنی موافقت میں پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> ''ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا کسی ثقہ راوی کے ہاں کچھ اوہام کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی نقل کردہ روایات اور زیادات بالکل قابل اعتبار نہ رہیں؟ خود مولانا محترم (راقم) نے ہشام بن عروہ کے عراقی تلامذہ کی روایات میں بعض اوہام کے پائے جانے کا اعتراف کرنے کے باوجود ان کا دفاع کیا ہے...... الخ۔ (اشراق: ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۳۵، ۳۶)

یہاں پہلے تو یہ دیکھئے کہ اسحق بن راشد ثقہ وصدوق ہیں مگر امام زہریؒ کی روایات میں ان کے کچھ اوہام ہیں۔ حتیٰ کہ امام یحییٰ بن معین نے تو فرمایا ہے: ''ليس هو في الزهري بذاك'' امام محمد بن یحییٰ الذہلی، جن کا امام زہری کی روایات میں اختصاص محدثین کے ہاں معروف ہے، فرماتے ہیں: هو مضطرب الحديث في حديث الزهري۔ اسی طرح امام نسائیؒ نے فرمایا ہے کہ اسحق کی زہری سے روایات قوی نہیں، ليس بذاك القوي۔ (التہذیب: ج۱ ص۲۳۰، مقدمہ فتح الباری: ص ۳۸۹، تحفۃ الاشراف: ج۱۲ ص ۲۸) امام زہریؒ سے اسحق کی روایات میں کلام کے باعث ہی امام بخاریؒ نے تنہا إسحٰق عن الزهري کی سند سے کوئی روایت نہیں لی۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی لکھا ہے:

www.KitaboSunnat.com

"غالب ما أخرج له البخاري ما شاركه فيه غيره عن الزهري وهي مواضع يسيرة" (ہدی الساری:ص ۳۸۹)

''امام بخاری نے زہری سے اس کی اکثر روایات وہ بیان کی ہیں جن میں دوسرے اس کے شریک ہیں۔ اور وہ چند ہی مقامات ہیں۔''

جس سے امام بخاری کے تتبع اور احتیاط کی تائید ہوتی ہے۔اسی بنا پر راقم نے عرض کیا تھا: اسحٰق کی روایت میں "نسبهما وخرق دفيهما" کے الفاظ محل نظر ہیں کیونکہ اسحٰق بن راشد کے علاوہ امام زہری کے باقی تلامذہ میں سے کسی نے بھی یہ الفاظ یا اس نوعیت کی بابت منقول نہیں جس میں دَف پھاڑنے کا ذکر ہو۔کسی ثقہ راوی کے ہاں کچھ اوہام پائے جانے سے بلا شبہ اس کی تمام روایات ناقابل اعتبار نہیں ہوجاتیں۔لیکن ثقہ راوی جب ایسے راوی سے روایت کرے، جس سے روایت کرنے میں محدثین نے اس پر کلام کیا ہو اور وہ اس سے روایت کرنے میں یا کوئی زیادت ذکرکرنے میں منفرد ہوتو اس کا تفرد قابل قبول نہیں ہوگا۔

امام زہری سے اسحٰق بن راشد کی روایت پر ہمارے اس کلام کے تناظر میں ابواسامہ حماد بن اسامہ کی ہشام سے زیر بحث روایت میں ابواسامہ کے تفرد پر کلام کرنا قطعاً درست نہیں۔ اس لئے کہ ابواسامہ گوکوفی راوی ہیں مگر ہم آگے با دلائل واضح کریں گے کہ ہشام کے عراق جانے کے بعد اس کی تمام روایات میں وہم کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔ان کی زیادہ سے زیادہ انہی روایات میں کلام ہے جو اُنہوں نے دوسری یا تیسری بار جانے پر بیان کی تھیں، جبکہ امام مسلم، امام احمد، امام دارقطنی ان جیسی روایات کو طبیعت کے مختلف ہونے پر محمول کرتے ہیں۔ جب انبساط اور اطمینان کی صورت ہوتی تو ہشام اس کی پوری سند ذکرکرتے اور جب طبیعت غیر مطمئن ہوتی تو ارسال کرتے اور یہ صرف ہشام ہی نہیں، دوسرے ثقات بھی ایسا کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام مسلم نے مثالیں دے کر اسے واضح کیا ہے۔اس لئے ایسی چند روایات کی بنا پر نہ ان کی مُعنعن روایات پر اعتراض درست ہے اور نہ ہی اُنہیں متغیر و مدلس کہا جاسکتا۔

ابواسامہ کو ہشام کے ساتھ جو اختصاص حاصل تھا اور امام احمد نے اس حوالے سے جو کچھ فرمایا ہے، قارئین کرام اسے پڑھ آئے ہیں کہ ابواسامہ سے بڑھ کر ہشام سے اچھی روایات

www.KitaboSunnat.com

بیان کرنے والا اور کوئی نہیں۔ ان کی ہشام سے بیان کی ہوئی حدیث 'اِفك' کی امام احمد نے تحسین فرمائی اور فرمایا: "جَوَّدَہ وجوَّدہ" اسے اُسامہ نے بہت خوبصورتی سے بیان کیا۔ اسی طرح ہشام سے حضرت زبیرؓ کے ترکہ کی روایت کے بارے میں فرمایا کہ "کتنے اچھے طریقے اور مکمل طور پر ابواسامہ نے اسے بیان کیا ہے۔" (شرح العلل لابن رجب: ج۲/ص۶۸۰) ہشام سے ابواسامہ کی روایات کے بارے میں امام احمد کی ان وضاحتوں کے بعد کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ ابواسامہ عراقی ہیں، ہشام کی عراق میں بیان کردہ روایات مخدوش ہیں اور ان میں وہم پایا جاتا ہے لہٰذا ابواسامہ کی یہ روایت بھی ان کے وہم کا نتیجہ ہے۔

مزید برآں ہشام کی ایسی روایات کے بارے میں بیان کرنے والے یہ بھی بتلاتے ہیں کہ ہشام کے اس آخری دور میں ان سے روایت کرنے والے وکیع، ابن نمیر اور محاضر ہیں اور یہ روایت تو ہشام سے ابواسامہ بیان کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی ہشام کی اس روایت میں کلام سراسر بے اُصولی پر مبنی ہے۔ لہٰذا جب ابواسامہ کی ہشام سے روایات معتبر اور صحیح ہیں تو ابواسامہ کے تفرد کو إسحٰق بن راشد عن الزهري میں اسحٰق کے تفرد پر قیاس کرنا علم وفن کی کوئی خدمت نہیں۔ کیونکہ یہاں تو محدثین کرام نے سرے سے اس کی امام زہری سے روایات کو کمزور اور ان میں اس کا وہم بتلایا ہے۔ اس لئے زہری سے دوسرے ثقات کے مقابلہ میں اس کا تفرد قابل قبول کیونکر ہوسکتا ہے۔

امام بخاری کا اسلوب بجائے خود اس کا مؤید ہے کہ اُنہوں نے اسحٰق عن الزهري کی وہی روایات لی ہیں، اور وہ بھی چند ایک جن میں اس کی متابعت پائی جاتی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ شیخ صالح بن حامد الرفاعی حفظہ اللہ نے ایک مستقل کتاب "الثقات الذين ضعفوا في بعض شيوخهم" کے عنوان سے لکھی ہے جس میں اُنہوں نے ان راویوں کا ذکر کیا ہے جو یوں تو ثقہ ہیں مگر وہ اپنے بعض شیوخ سے روایت کرنے میں ضعیف قرار دیے گئے ہیں، اس میں انہوں نے اسحٰق بن راشد کا بھی ذکر کیا ہے اور خلاصۂ کلام جو ذکر کیا، وہ یہ ہے:

"إن اسحق بن راشد ثقة وقد ثبت سماعه من الزهري ، لكن في حديثه

www.KitaboSunnat.com

عن الزهري بعض الوهم كما قال ابن حجر ، لذلك لا يقبل من حديثه عن الزهري إلا ما وافقه عليه غيره" (الثقات الذين ...:ص۲۰۰)

''اسحق بن راشد ثقہ ہیں اوران کا زہری سے سماع ثابت ہے لیکن اس کی زہری سے حدیث میں کچھ وہم ہے جیسا کہ ابن حجر نے کہا ہے، اس لئے زہری سے ان کی انہی روایات کو قبول کیا جائے گا جس میں دوسرے راوی نے اس کی موافقت کی ہو۔''

مگر کیا ابواسامہ حماد بن اسامہ کے بارے میں بھی کسی نے کہا ہے کہ اس کی ہشام سے روایات میں وہم پایا جاتا ہے۔ جبکہ اس کی ہشام سے روایات کو تو اَحسن واَجود کہا گیا ہے مگر افسوس ہے محترم عمار صاحب دونوں کو ایک ہی ترازو میں رکھ کر فرماتے ہیں کہ اسحٰق کا تفرد قبول نہیں تو ابواسامہ کا قبول کیوں ہے؟ فوا أسفـــــا !

ہماری ان گزارشات سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ صحیح بخاری و مسلم میں ابواسامہ عن ہشام کی یہ روایت صحیح اور بے غبار ہے۔ یہ حکم کسی خوش فہمی یا تقلید کی بنا پر نہیں بلکہ دلائل و براہین پر مبنی ہے!

'گانے والیاں' کون تھیں؟

حضرت عائشہؓ کی اسی حدیث میں "وعندي جاريتان" کے الفاظ ہیں کہ میرے پاس دو جاریہ تھیں۔ ''جاریہ'' کے یہاں معنی حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن جوزی، علامہ نووی، حافظ ابن قیم وغیرہ کی رائے میں چھوٹی بچیاں ہیں۔ گویا گانے کا شغل دو بچیوں کا تھا۔ مگر اہل اشراق فرماتے ہیں کہ وہ لونڈیاں تھیں اور اس کی بے ہنگم تائید میں ہمارے مہربان جناب عمار ناصر صاحب بھی یہی فرماتے ہیں۔ ان کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس کا مفہوم لونڈیاں مراد لیا ہے۔ روایت میں "ليستا بمُغنيتين" کا جملہ بھی اس کا قرینہ ہے کیونکہ اگر وہ چھوٹی بچیاں تھیں تو ان کے بارے میں یہ گمان پیدا ہونا ہی بعید ہے کہ گانا گانا ان کا پیشہ ہوگا۔ پیشے کے طور پر گانا گانے کا احتمال چھوٹی بچیوں کے بارے میں نہیں بلکہ لونڈیوں ہی کے بارے میں پیدا ہوسکتا ہے۔

''قَيْنَتَان کا لفظ بھی آیا ہے جو لونڈیوں کے مفہوم میں بالکل صریح ہے اور حافظ ابن حجر نے

www.KitaboSunnat.com

غالباً انہی قرائن کی بنا پر جاریتان کو لونڈیوں کے معنی میں لیا ہے۔'' (اشراق: ص ۳۶)

گزارش ہے کہ قینتان کا لفظ لونڈیوں کے بارے میں کس حد تک 'بالکل صریح' ہے، یہ بات پہلے مقالات میں ہم عرض کر چکے ہیں۔ جبکہ اس حوالے سے اس فقیر کا جو مذاق دانشمندانِ اشراق نے اُڑایا ہے، اس کا جائزہ بھی پیش کر چکے، جس کے اِعادہ کی ضرورت نہیں۔ حافظ ابن حجر نے ان قرائن کی بنا پر قطعاً جاریتان کو لونڈیوں کے معنی میں نہیں لیا بلکہ طبرانی وغیرہ کی ضعیف اور ناقابل اعتبار روایات کی بنا پر اُنہوں نے یہ مفہوم مراد لیا ہے جس کی وضاحت بھی ہم پہلے کر آئے ہیں۔ اپنے چبائے ہوئے نوالوں کو حافظ ابن حجرؒ کے منہ میں ٹھونسنا کوئی دانشمندی نہیں۔ حافظ ابن حجر نے جاریتان کو لونڈیوں کے معنی میں لے کر بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ پیشہ ور مغنیہ نہیں تھیں۔ اسی حدیث سے اہل اشراق کے پیشرو صوفیوں کی ایک جماعت نے بھی غنا کے جواز پر استدلال کیا ہے، جس کے جواب میں حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے:

”ويكفي في ردّ ذلك تصريح عائشة في الحديث الذي في الباب بعده بقولها ”وليستا بمُغنيتين“ فنفت عنهما عن طريق المعنى ما أثبته لهما باللفظ ، لأن الغناء يطلق على رفع الصوت وعلى الترنم الذي تسميه العرب النَّصْب بفتح النون وسكون المهملة وعلى الحداء ولا يُسمّٰى فاعله مُغنيا...... الخ“ (فتح الباری: ج۲ ص۴۴۲)

''صوفیوں کی تردید میں حضرت عائشہؓ کی تصریح، جو بعد کے باب میں ہے، سے ہوتی ہے۔ جس میں اُنہوں نے فرمایا ہے کہ وہ دونوں گانے والیاں نہ تھیں، حضرت عائشہؓ نے ان دونوں سے معنوی طور پر اس چیز کی نفی کر دی جس کا ثبوت ان کی طرف لفظ غنا سے ہوتا تھا۔ کیونکہ غنا کا اِطلاق بلند آواز اور ترنم سے شعر پڑھنے پر ہوتا ہے جسے عرب نصب اور حدی خوانی کہتے ہیں اور یہ کام کرنے والوں کو وہ مغنی یعنی پیشہ ور گانا گانے والا، گویّا نہیں کہتے تھے۔''

بلکہ اس کے بعد انہوں نے علامہ قرطبیؒ سے بھی نقل کیا ہے کہ ”ليستا بمغنيتين“ کے معنی یہ ہیں کہ ''وہ دونوں اس طرح گانا نہیں جانتی تھیں جس طرح معروف گانا گانے والے گاتے ہیں۔'' جس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حافظ ابن حجر ”جاریتان“ کے معنی لونڈیاں کرنے کے باوجود اُنہیں پیشہ ور مغنیہ نہیں سمجھتے تھے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس

www.KitaboSunnat.com

بات کی نفی حافظ ابن حجرؒ نے بالصراحت کی ہے، جناب محترم عمار صاحب اس کا انتساب محض اپنی فکر کی بنیاد پر حافظ ابن حجر کی طرف کررہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''پیشے کے طور پر گانا گانے کا احتمال چھوٹی بچیوں کے بارے میں نہیں بلکہ لونڈیوں ہی کے بارے میں پیدا ہوسکتا ہے اور حافظ ابن حجر نے غالبًا انہی قرائن کی بنا پر جاریتان کو لونڈیوں کے معنی میں لیا ہے......الخ''

انصاف شرط ہے؟ کیا حافظ ابن حجر نے ''جاریتان'' کے معنی لونڈیاں کرنے کے باوجود انہیں پیشہ ور مغنیہ قرار دیا؟ قطعاً نہیں، تو پھر اس طولِ بیان کا کیا فائدہ؟ پھر اگر تسلیم کیا جائے کہ وہ لونڈیاں تھیں تو اس کی کیا دلیل ہے کہ ان کا یہ عمل بلوغت کے بعد تھا؟ اور کیا لونڈیوں اور بچیوں کے مابین کوئی منافات ہے؟ لونڈیاں بچیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ اس میں استحالہ کیا ہے؟

محترم عمار صاحب نے اسی ضمن میں یہ بات بھی فرمائی ہے کہ حافظ ابن حجر نے جاریتان کی تعیین میں طبرانی وغیرہ سے جو روایات نقل کی ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لونڈیاں تھیں، راقم نے اُنہیں ضعیف قرار دیا ہے، مگر توضیح الکلام: ص۲۷۷ میں اپنے استاذِ محترم مولانا حافظ محمد گوندلوی کے ایک ضعیف روایت سے استدلال کا دفاع کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا ہے کہ صحیح حدیث کے محتملات کی تعیین کے لئے ضعیف روایت سے استدلال خلافِ اصول نہیں، لیکن ابن حجر کی تین ضعیف روایتوں سے استدلال کو قبول نہ کرنے کے لئے یقیناً ان کے پاس معقول وجوہ ہوں گے، اگر وہ ان پر روشنی ڈال سکیں تو ان کی توضیحات ہمارے لئے استفادہ کا ذریعہ ہوں گی۔ (اشراق: ص۳۶،۳۷)

پیشہ ورانہ موسیقی کے جواز کا فتویٰ دینے والے حضرات کا یہ بھی ایک ناکام سہارا ہے۔ اس بحث سے قطع نظر کہ حضرت الاستاد محدث گوندلوی نے ضعیف حدیث سے استدلال کیا اور کسی ناقد کی اس کے ضعیف ہونے کی نشاندہی پر راقم نے اس کا جواب دیا، اور یہ بھی کہ کیا ان کا استدلال اسی پر موقوف ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ضعیف روایت سے أحد المحتملات کی تعیین ہوسکتی ہے۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ زیر بحث روایت میں جاریتان کے لفظ کی تعیین میں جو حافظ ابن حجر نے ضعیف روایات کے پیشِ نظر فرمایا کہ یہ لونڈیاں تھیں، کیا اس

www.KitaboSunnat.com

سے ان کے بچیاں ہونے کی نفی لازم آتی ہے؟ ''جاریتان'' میں اسی ابہام کی بنا پر ہی تو سیدہ عائشہؓ نے وضاحت فرما دی کہ وہ معروف مغنیہ نہیں، بچیاں تھیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ نے فرمایا ہے۔ بالفرض اگر تسلیم کیا جائے کہ وہ لونڈیاں تھیں تو کیا اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ وہ پیشے کے طور پر گانا گایا کرتی تھیں؟

عید اور شادی کے موقعہ پر بعض گھرانوں میں آج بھی گانے کا رواج ہے اور وہ بھی چند لڑکیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یوں نہیں کہ قبیلہ اور برادری میں سب عورتیں یہ کام کرتی ہیں۔ اس کے باوجود نہ وہ پیشے کے طور پر یہ شغل اختیار کرتی ہیں اور نہ ہی اُنہیں معروف مغنیہ سمجھا جاتا ہے۔ لڑکوں میں بھی نعت وغزل پڑھنے والے معروف ہوتے ہیں مگر کوئی بھی نہ خود کو گویّا سمجھتا ہے، نہ ہی پیشے کے طور پر وہ معروف ہوتا ہے۔ اس لئے حافظ ابن حجر نے جاریتان سے لونڈیاں سمجھ کر بھی یہی سمجھا کہ وہ مغنیہ نہیں تھیں، جیسا کہ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا ہے۔ مگر ہم نے عرض کیا کہ بنیادی طور پر جاریتان کے لونڈیاں ہونے اور ان کے بچیاں ہونے میں کوئی منافات نہیں۔ اور یوں یہ دونوں قول باہم متناقض بھی نہیں۔ دونوں صورتوں میں اسی بات پر اتفاق ہے کہ وہ پیشہ ور مغنیہ نہیں تھیں۔ مگر اربابِ 'اشراق' اس سے متفق نہیں۔ محض اس لئے کہ اس سے موسیقی کے جواز کی عمارت زمین بوس ہوجاتی ہے اور اس کے جواز کے سارے حیلے تارِ عنکبوت کی طرح تار تار ہوجاتے ہیں۔

آپ پڑھ آئے ہیں کہ تمام محدثین اس حدیث کی بتمامہ صحت پر متفق ہیں اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ جاریتان پیشہ ور مغنیہ نہیں تھیں۔ اربابِ اشراق نے اپنی دانشمندی اور روشن ضمیری میں متفق علیہ مسائل سے انحراف کی جو راہ اختیار کی ہے اور سبیل المومنین سے انحراف کرکے جو راستہ اپنایا ہے، یہ بہرنوع قابل مذمت ہے۔

تعجب ہوتا ہے کہ ایک خانوادۂ علم وعمل کا چشم وچراغ بھی اس فکر کا ہم نوا ہے اور گھسے پٹے دلائل سے اس کی آبیاری میں مصروف ہے۔ فوا أسفـــا !

اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ...... آمین!

فقہ واجتہاد

شیخ محمد بن صالح العثیمین
ترجمہ: عبدالقوی لقمان

غیر مسلم ممالک میں سفر وسکونت کا شرعی حکم

ہجرت کا مفہوم اور یہ کب فرض ہوتی ہے؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الأَرْضِ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولٰٓئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيرًا إِلاَّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَّلاَ يَهْتَدُونَ سَبِيلاً فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ (النساء:۹۷تا۹۹)

''جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے، ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں، تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے، اُنہوں نے جواب دیا کہ زمین میں کمزور اور مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا: کیا اللہ (تعالیٰ) کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں، جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کردے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔''

الھِجرَۃُ لغوی طور پر الھَجر سے ماخوذ ہے جس کا مطلب 'چھوڑ دینا' ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں الھِجرَۃ سے مراد یہ ہے:

"الاَنْتِقَالُ مِنْ بَلَدِ الشِّرْكِ إِلىٰ بَلَدِ الإِسْلاَمِ" (کتب الجامی:۲/۹۱)

''کفر وشرک والے علاقے سے 'بلدِ اسلام' کی طرف منتقل ہونا۔''

'بلدِ کفر' وہ مقام ہے جہاں کفر کے شعائر نمایاں ہوں، اور اسلام کے شعائر، جیسے اذان، باجماعت نمازِ پنجگانہ، عیدین کا انعقاد اور نمازِ جمعہ وغیرہ کا عام اور ہر جگہ اہتمام نہ کیا جاتا ہو۔

'عام' کی شرط کی ضرورت اس بنا پر ہے تاکہ اس سے وہ مقامات اور غیر مسلم ممالک بھی نکل جائیں جہاں مسلم اقلیت کی بنا پر اسلامی شعائر کا اہتمام تو کیا جاتا ہے مگر بہت محدود دائرے میں رہ کر ان کی اجازت دی جاتی ہے۔ چنانچہ ایسے علاقے اور ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اور بعض مخصوص جگہوں پر ہی محدود دائرے میں رہتے ہوئے ان اسلامی شعائر کا انعقاد کر سکتے ہوں تو وہ اسلامی شہر یا اسلامی ممالک نہیں ہیں۔ 'دیار اسلام' وہی ہو سکتے ہیں، جہاں مکمل مذہبی آزادی ہو اور وہاں اسلامی شعائر عمومی طور پر اور ہر جگہ منعقد ہوتے ہوں۔

ہجرت ہر اس مؤمن پر واجب ہے، جو بلدِ کفر میں رہتا ہو اور اپنے دین اور اس کے شعائر کے اظہار کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اگر وہ بغیر ہجرت کے اپنے دین کو ظاہر رکھنے کی طاقت نہ رکھے تو ایسی صورت میں ہجرت کے بغیر اس کا اسلام ناقص ہوگا، کیونکہ جس 'عمل' کو کئے بغیر، واجب (فرض) ادا نہ ہوتا ہو تو اس 'عمل' کو بجا لانا بھی واجب (یعنی فرض) ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آغاز میں درج کردہ قرآنِ حکیم کی آیتِ کریمہ میں اس بات کی دلیل موجود ہے:

''وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی قدرت و طاقت ہوتے ہوئے بھی ہجرت نہ کی تو موت کے فرشتوں نے ان کی روحیں قبض کرتے ہوئے ان کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کی اور ان سے کہا کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں کہیں ہجرت کر جاتے؟ مگر وہ کمزور اور بے بس لوگ، جو ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہجرت سے عاجزی اور بے بسی کی بنا پر ان سے درگزر فرما دیا، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ (رحیم و کریم) کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلّف (یعنی پابند) نہیں کرتے۔'' (النساء:۹۷تا۹۹)

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ (العنکبوت:۵۶)

'اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین وسیع ہے، پس تم میری ہی بندگی کرو۔''

امام بغویؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یہ آیتِ کریمہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی، جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے اور اُنہوں نے ہجرت نہ کی تھی۔''

ایسی صورت میں ہجرت فرض ہونے کی دلیل رسالت مآب ﷺ کا یہ اِرشاد گرامی ہے:

www.KitaboSunnat.com

«لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ وَلاَ تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا» (سنن ابوداود:۲۴۷۹)

''جب تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوجاتا تب تک ہجرت کا سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوگا اور توبہ کا دروازہ اس وقت تک بند نہ ہوگا، جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوتا (یعنی جب تک قیامت قائم نہیں ہوتی)۔''

☜ غیرمسلم معاشروں کی طرف سفر کرنا تین شرائط کے بغیر شرعاً جائز نہیں:

① انسان کے پاس دین کا اتنا ٹھوس اور پختہ علم ہو جس کے ذریعے وہ شکوک وشبہات کو دور کرسکے اور اپنے آپ کو (غیر اسلامی اثرات سے) بچا سکے۔

② وہ دینی اعتبار سے اتنا پختہ اور ثابت قدم ہو کہ شہوات اور جنسی خواہشات میں پڑنے سے بچ سکے۔

③ وہ ان ممالک کی طرف سفر کرنے کا شدید محتاج اور ضرورت مند ہو۔

اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو ایک مسلمان کے لئے غیر مسلم معاشروں کی جانب سفر کرنا اس لئے جائز نہیں کہ ایک تو اس کے 'فتنہ' میں واقع ہوجانے کا ڈر ہے اور دوسرے: سراسر نافرمانی کے اس سفر میں بہت سا مال بھی ضائع ہوجاتا ہے، اس لئے کہ انسان ان جیسے سفروں میں بہت زیادہ مال و دولت بلاضرورت خرچ کر بیٹھتا ہے۔

اگر انسان کو کسی اشد ضرورت کی بنا پر سفر کرنا پڑ جائے، جیسے علاج یا آپریشن کی غرض سے یا ایسے جدید منفعت بخش علوم کے حصول کے لئے جو اس کے اپنے ملک میں ناپید ہوں (بشرطیکہ اس کے پاس اس حد تک علم اور دینی و روحانی قوت بھی ہو، جو اسے غیر مسلم تہذیب کے اثرات سے محفوظ رکھ سکے) جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے تو ایسی صورت میں سفر کی ممانعت نہیں۔

لیکن اگر یہی سفر کفار و مشرکین کے ممالک کی محض سیر وسیاحت کے لئے ہو، کسی اور ضرورت و مصلحت کی بنا پر نہیں، ایسے ہی اسی سیر وتفریح کی غرض سے کسی اسلامی ملک میں سفر کرنا اس کے بس میں ہو جہاں شعائرِ اسلام کی پاسداری کرنے والے کثرت سے ہوں، تو

www.KitaboSunnat.com

ایسی صورتِ حال میں غیر مسلم ملک میں جانا جائز نہیں، جبکہ آج کے دور میں مسلمانوں کے شہر اور ممالک سیر وسیاحت کے اعتبار سے بہت ہی موزوں اور مناسب ہیں، لہٰذا ایک مسلمان کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ وہ کچھ وقت کے لئے ایسے ممالک کا رخ کرے جہاں وہ ایام تعطیلات گزار کر اپنا جی بہلا سکے۔

جہاں تک ایک مسلمان کے لئے بلادِ کفر وشرک میں مستقل سکونت اختیار کرنے کا تعلق ہے، تو اس سے مسلمان کے دین، اس کے آداب واخلاق اور کردار پر خوفناک اور تباہ کن نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ہم نے خود اور کئی دیگر لوگوں نے متعدد اشخاص کو وہاں رہتے ہوئے، دین سے منحرف ہوکر یا فسق و فجور میں لت پت ہوکر، یا پھر اپنے دین سے مرتد ہوکر واپس لوٹتے دیکھا ہے۔اوران کی دین و مذہب سے نفرت کا یہ عالم ہوا کہ وہ اپنے دین سے ہاتھ دھونے کے ساتھ ساتھ بقیہ تمام ادیان و مذاہب کے بھی نہ صرف منکر ہوئے بلکہ اس دین سے وابستہ ہونے والی پاکیزہ ہستیاں (السَّابِقُونَ الاَوَّلُون)اور متاخرین میں سے جو اسلام لائے، سب کے سب ان ملحدوں اور مرتدوں کے استہزا اور مذاق کا نشانہ بنے ، اور یہ صورت حال اب تک جاری ہے۔

اسی لئے یہ بات از حد ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کے اخلاقی تحفظ اور دینی و ایمانی تشخص کی بقا کے لئے ٹھوس اور مضبوط اقدامات ہونے چاہئیں اور قانونی اعتبار سے بھی ایسی شرائط وضع کی جائیں جو مسلمانوں کو ان ہلاکت خیزیوں اور تباہ کاریوں سے بچا سکیں۔

بلادِ کفر وشرک میں سکونت کی دو بنیادی شرطیں

1. سکونت اختیار کرنے والے شخص کا دین و ایمان محفوظ و مامُون ہو، اس اعتبار سے کہ اس کے پاس اتنا مضبوط علم و ایمان اور عزیمت کی قوت و طاقت موجود ہو، جس کی بنا پر وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہ سکے اور انحراف و گمراہی سے بھی بچ سکے، اور ساتھ ہی ساتھ اہل کفر کی محبت اور ان سے دوستانہ تعلقات سے دور رہتے ہوئے، ان سے نفرت اور عداوت کو اپنے دل میں سمائے رکھے، اس لئے کہ کفار و مشرکین سے محبت و عقیدت رکھنا اور ان سے تعلقات استوار رکھنا، ایمان کے منافی اُمور میں سے ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

www.KitaboSunnat.com

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ...﴾ (المجادلہ:۲۲)

''تو جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں، آپ کبھی اُنہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی لگائیں، جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہوں، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا بیٹے ہوں، یا بھائی یا (سارے) کنبہ (وقبیلہ) والے ہوں۔''

اور سورۃ المائدۃ میں حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ، فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ﴾

''اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم میں سے کسی نے ان کو دوست بنایا، تو وہ بھی انہی میں سے ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ آپؐ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، وہ انہی (یہود و نصاریٰ) میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں، ہوسکتا ہے کہ جلد ہی اللہ (مؤمنوں کو) فتح عطا فرما دے، یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کردے، تو جو کچھ یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں، ان پر نادم ہوکر رہ جائیں گے۔'' (آیت:۵۱،۵۲)

اور صحیح حدیث میں نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«أَنَّ مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ، وَأَنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ أَحَبَّ» [1]

''جس شخص نے کسی قوم سے محبت کی تو وہ انہی میں سے شمار ہوگا، اور بے شک آدمی اسی کے

---

[1] مندرجہ بالا الفاظ بعینہٖ مرفوع سند کے ساتھ ہمیں نہیں ملے سوائے ان الفاظ کے «المرء مع من أحب» صحیح بخاری:۶۱۶۹ میں یہ پوری حدیث اس طرح ہے: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله! كيف تقول في رجل أحب قوما ولم يلحق بهم؟ فقال رسول الله ﷺ «المرء مع من أحب» البتہ من أحب قوما فهو منهم کے الفاظ مرفوعاً التاج والإكليل لمختصر الخليل: ۱۱/۱۶۷ میں موجود ہیں لیکن اس کی سند بیان نہیں کی گئی۔ واللہ اعلم

www.KitaboSunnat.com

ساتھ (ہوگا) جس کے ساتھ اس نے محبت کی ہوگی۔''

اور اللہ کے دشمنوں سے محبت، ایک مسلمان کے لئے بڑی خطرناک بات ہے، اس لئے کہ ان کے ساتھ محبت کا لازمی نتیجہ ان کی موافقت اور پیروی کی صورت میں نکلتا ہے یا پھر یہ محبت کم از کم ان کی (دین کے خلاف ہر) بات کو ردّ کرنے سے بھی روکتی ہے، اسی لئے اللہ کے نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہے: «مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ» (ایضاً)

''جو شخص کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو وہ انہی میں سے شمار کیا جائے گا۔''

۲ سکونت پذیر شخص کے لئے دار الکفر والشرك میں اپنے دین وایمان کا کھلے عام اظہار ممکن ہو، اس طرح سے کہ وہ بغیر کسی ممانعت کے دین کے شعائر کا اہتمام اور اس پر عمل پیرا ہونے کا ہر طرح سے مجاز ہو، مثلاً اگر وہاں اس کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی ہوں تو اسے ان کے ساتھ فرض نمازوں کو باجماعت اور جمعۃ المبارک کی نماز ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اسی طرح اسے دیگر ارکانِ دین ،یعنی زکوٰۃ، روزے اور حج وغیرہ کی ادائیگی کی ممانعت نہ ہو، اگر ایسا ممکن نہیں تو ان حالات میں چونکہ اس پر ہجرت واجب ہے لہٰذا اس کا کفار ومشرکین کے ملک میں ٹھہرنا بھی جائز نہیں۔

علامہ ابن قدامہؒ نے اپنی کتاب 'المغنی' میں ہجرت کے ضمن میں لوگوں کی مختلف اقسام ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگ تو وہ ہیں جن پر ہجرت کرنا واجب ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہجرت کی طاقت رکھتے ہوں اور 'بلادِ کفار' میں اپنے دین کا اظہار ان کے لئے ناممکن ہو۔ اور وہ کفار کے درمیان رہتے ہوئے اپنے دین کے واجبات پر بھی عمل پیرا نہ ہوسکتے ہوں تو ایسے لوگوں پر اللہ عزوجل کے اس فرمان کی رو سے ہجرت کرنا فرض ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد ابن قدامہؒ نے مذکورہ بالا آیت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آیتِ ہٰذا میں یہ شدید ترین وعید، ہجرت کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ واضح رہے کہ دین کے واجبات پر عمل کرنا ہر اس شخص پر ضروری ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو، اور دین اسلام میں ہجرت تو 'واجب کی ضرورت' اور اس کے تکمیل سے ہے، اور جس عمل کو ادا کئے بغیر واجب پورا نہ ہوتا ہو تو اس عمل کو بجا لانا بھی واجب ہوتا ہے۔ (ج ۸/ص ۴۵۷)

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم ممالک میں سکونت کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

مذکورہ دو شرطوں کی تکمیل کے بعد دارِ کفر میں سکونت اختیار کرنے کی کئی ایک صورتیں ہیں، جن کے لئے شریعت کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں:

▣ **پہلی صورت**: آدمی 'دارِکفر' میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے اور راغب کرنے کے لئے رہائش اختیار کرے۔ ایسی صورت میں اس کا یہ فعل جہاد کی ایک قسم ہے، البتہ اس صورت میں دین اسلام کی دعوت دینے کے لئے اس کا ضروری علم ہونا لازمی ہے۔

ایسے داعی کے لئے یہ سکونت 'فرضِ کفایہ' کا حکم رکھتی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کی وہاں یہ دعوت ایک تو بار آور ثابت ہو اور دوسرے یہ کہ نہ کوئی اس کو یہ دعوت دینے سے منع کرتا ہو، اور نہ اس دعوت کو لبیک کہنے (یعنی قبول کرنے) والے کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالتا ہو۔ دلیل اس امر کی یہ ہے کہ اسلام کی طرف دعوت دینا، دین کے واجبات میں سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں (علیہم السلام) کا وظیفہ اور مشن ہے۔ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنی اُمت کے ہر فرد کو ہر جگہ پر اپنی شریعتِ طاہرہ کے احکامات و پیغامات پہنچانے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «بَلِّغُوْا عَنِّي وَلَوْ آيَةً» (صحیح بخاری:۳۴۶۱)

''مجھ سے لی ہوئی خواہ ایک ہی آیت (اور حدیث) ہو تو اس کو آگے پہنچا دو۔''

▣ **دوسری صورت**: کوئی مسلمان 'بلادِ کفر وشرک' میں رہتے ہوئے کافروں اور دشمنانِ دین کے حالات کے بارے میں آگاہی رکھے، نیز ان کے عقائد کی خرابیوں، طریقۂ عبادت کی غلطیوں، اخلاقی انحطاط اور ان کے کردار و گفتار کے بگاڑ پر کڑی نگاہ رکھتا ہو، تاکہ عام لوگوں (خاص طور پر جاہل مسلمانوں) کو ان کے دامِ فریب میں آنے سے ڈرا اور بچا سکے، اور ان کفار کی طرف رشک آلود نگاہوں سے دیکھنے والوں پر ان کی حقیقت آشکارا کر سکے۔ بلادِ کفر میں ایسی سکونت بھی جہاد ہی کی ایک قسم ہے اور یہ اس لئے کہ یہ دعوت اپنے نتائج و ثمرات کے اعتبار سے اہل اسلام کو کفر اور اہل کفر سے بچانے اور عامۃ المسلمین کو اسلام کی طرف لانے پر مشتمل ہے، کیونکہ کفر کا بگاڑ و فساد اسلام کی اصلاح و فلاح کی دلیل ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الأَشْيَاءَ (البرہان:۳/۶۰)

''اشیا کی حقیقت، اپنی مخالف اشیا سے نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔''

مگر یہاں یہ شرط ملحوظ رہے کہ داعی کی یہ دعوت جس مقصد کے لئے ہو، وہ مقصد اپنے سے بڑھ کر کسی فساد کے رونما ہوئے بغیر برگ و بار لائے۔ اور اگر اس داعی کو اس دعوت کا کوئی مثبت نتیجہ حاصل نہ ہوسکے اور وہ اس طرح کہ وہاں کے کفار ومشرکین اس کو اپنے باطل عقائد (اور کفر کی تردید) سے روک دیں تو تب اس شخص کے وہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

ایسے ہی اگر اس داعی کو اس دعوت کے مثبت نتائج تو مل رہے ہیں، مگر ساتھ ہی وہ دعوت اپنے فوائد اور مصالح سے بڑھ کر مفاسد ومضرات کے سر اُٹھانے کا سبب بن رہی ہو، مثلاً: اس کی دعوت کے ردِعمل میں مخالفینِ اسلام ، اہل اسلام، رسول کریمؐ اور دیگر مسلمان ائمہ کو گالی گلوچ کا نشانہ بنانے لگ جائیں تو ایسے حالات میں داعی کو دعوت سے رُک جانا چاہیے کیونکہ اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

''(اے مسلمانو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں، انہیں گالی نہ دو۔ ورنہ یہ لوگ جہالت کی وجہ سے چڑ کر اللہ کو گالی دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے، پھر اُنہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، تو جو کچھ یہ کرتے رہے، اس کی اُنہیں وہ خبر دے دے گا۔'' (الانعام:۱۰۸)

اس آیتِ کریمہ میں کفار کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے اس بنا پر روکا گیا ہے کہ اس کے نتیجے میں وہ اللہ کو برا بھلا کہیں گے۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں جب دعوت کا نتیجہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراضات وکردارکشی کی صورت میں سامنے آئے، تو ایسی دعوت کو روک کر اپنی حکمت عملی کو تبدیل کرنا چاہیے۔

دوسری صورت میں یہ نوعیت بھی شامل ہے کہ کوئی مسلمان شخص، غیر مسلم معاشروں میں محض اس غرض سے ٹھہرے کہ وہاں رہ کر وہ مسلمانوں کے حق میں کفار اور دشمنانِ اسلام کی جاسوسی کے فرائض انجام دے سکے اور ان کی تیار کردہ خفیہ سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے

اہل اسلام کو متنبہ کر سکے، جیسا کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خندق میں، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو مشرکوں کی طرف بھیجا تھا تاکہ وہ ان کی (جنگی چالوں اور) سرگرمیوں کی خبریں معلوم کر سکیں۔ (صحیح مسلم:۱۷۸۸)

▣ **تیسری صورت:** وہ شخص 'مسلمان ملک' یا اسلامی ریاست کی ضرورت اور غیر مسلم ممالک کے ساتھ انتظامی اُمور کو منظّم اور مربوط کرنے کی خاطر مقیم ہو، جیسے سفارتخانوں کے ملازمین یا عملہ ہے، تو ان کا حکم بھی مذکورہ شخص کے حکم جیسا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص 'اسلامی ثقافت' کا ترجمان اور ماہر ذمہ دار ہو اور وہ غیر مسلم ملک میں اس مقصد کے لئے رہتا ہے کہ وہاں مسلمان طلبا کے حالات اور ان کی دن رات کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہوئے، اُن کی اخلاقی اقدار و روایات کی نگرانی کر سکے اور ہمہ وقت ان کو دینِ اسلام کی پاسداری کرنے ،انہیں دین کے آداب و اخلاقیات کو اپنائے رکھنے اور ہمہ وقت اور ہر جگہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کی ترغیب دلا سکے ہے۔تو ایسے شخص کے وہاں رہنے سے جہاں ایک بہت بڑی مصلحت اور منفعت حاصل ہوگی ،وہاں ایک بڑے شر اور فساد کا خاتمہ بھی ممکن ہو سکے گا۔

▣ **چوتھی صورت:** آدمی کسی خاص اور جائز ضرورت کی خاطر وہاں ٹھہرے، مثلاً تجارت (کاروبار) یا علاج وغیرہ کی غرض سے، تو ایسے حالات میں ضرورت پوری ہونے تک وہاں ٹھہرنا جائز ہے۔اہل علم حضرات نے کاروباری مقاصد کی خاطر کافر ملک میں ٹھہرنے یا اس کی طرف سفر کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اُنہوں نے اس کی دلیل بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و واقعات سے لی ہے۔واضح رہے کہ سکونت کی یہ نوعیت عارضی ہے،ضرورت مکمل ہونے پر اس مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ 'دارالاسلام' میں واپس پلٹ آئے۔

▣ **پانچویں صورت:** آدمی کسی کافر ملک میں تحصیل علم اور علم کے کسی شعبہ میں تحقیق و تدریس کے لئے ٹھہرے اور یہ صورت سابقہ ضرورت کی ہی ایک قسم ہے کہ جہاں انسان کسی ضرورت کے پیش نظر مقیم ہو، البتہ بعض پہلوؤں سے یہ سابقہ شکل کی نسبت زیادہ

www.KitaboSunnat.com

خطرناک، اور سکونت پذیر مسلمان شخص کے دینی اور اخلاقی اقدار کی پامالی کے اعتبار سے زیادہ سنگین بھی ہوسکتی ہے۔

کیونکہ ایک طالب علم اپنے اساتذہ کے علم سے متاثر ہوتا اور ان کی شخصیت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور اساتذہ کی اپنے شاگرد کے ہاں قدر ومنزلت براہِ راست اس کے اخلاق وکردار پر اثر انداز ہوتی اور شاگرد کو ان کے افکار و آرا اور طریقۂ زندگی کو اپنانے پر اُکساتی ہے۔ تجربے سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیم وتعلّم کے میدان میں اکثر لوگ اپنے اساتذہ کی ہی سیرت وکردار کے اَسیر ہو جاتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ بچائے رکھتا ہے اور وہ بہت ہی کم تعداد میں ہیں۔

پھر طالبِ علم اپنے اُستاد کے سامنے ضرورت مند ہوتا ہے اور یہی ضرورت ہی اس کے دل کو استاد سے محبت کی طرف مائل کرتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس دینی انحراف اور گمراہی پر وہ استاد گامزن ہوتا ہے، شاگرد بھی اسی کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے ۔ ایسے ہی وہ طالب علم جس تعلیمی ادارے میں مقیم ہوتا ہے، وہاں اس کے ساتھی اور دوست بھی ہوتے ہیں جن سے وہ محبت کرتا، میل جول رکھتا اور دیگر معاشرتی ضروریات پوری کرتا ہے۔ ان سب اُمور کے ہوتے ہوئے ایک نوخیز طالب علم کے اخلاق وکردار کے بگاڑ کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے، لہٰذا اس قسم کے لوگوں کے بارے میں حفاظتی اقدامات دوسروں کی نسبت زیادہ ضروری ہیں۔ لہٰذا 'دیارِ کفر' میں ان کے دین وایمان اور اخلاق وکردار کے تحفظ کی خاطر ان دو بنیادی شرطوں (جن کا پہلے ذکر ہوچکا ہے) کے علاوہ درج ذیل اضافی شروط کو اپنانا لازم ہوگا:

① طالبِ علم عقل کی پختگی اور سوچ و بچار میں اتنی صلاحیت رکھتا ہو کہ وہ آسانی سے منفعت بخش اور نقصان دہ چیز میں فرق کرسکے اور کسی بھی چیز کے نفع ونقصان کے بارے میں وہ دوربین اور دور اندیش ہو۔ اور جہاں تک چھوٹی عقل کے ناسمجھ بچوں کو طلبِ علم کے لئے ایسی جگہوں میں بھیجنے کا تعلق ہے تو یہ ان کے دین اور ان کے اخلاق وکردار کی بربادی کے لئے سنگین خطرہ ہے۔ کل کلاں یہ نونہال اپنی قوم وملت کے لئے بھی بہت بڑے خطرے کا باعث ہوں گے، یہی لوگ واپس آکر اپنی قوم کے دل ودماغ میں وہ زہر اُتاریں گے، جوانہوں نے

www.KitaboSunnat.com

(دارِ کفر میں رہتے ہوئے) کفار سے نادانستگی میں سیکھا تھا۔ اوراس قسم کی متعدد مثالیں مسلم معاشروں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ایسے متعدد ناقابل تردید حقائق موجود ہیں کہ بہت سے لوگ تعلیم وتعلّم کے لئے 'دیارِکفروشرک' میں گئے، جب واپس پلٹے تو ایمان کی پونجی سے محروم تھے، اور مزید ستم یہ کہ دینی تشخص اوراچھے اخلاق وکردار سے بیگانہ ہوکر اپنے ساتھ کفر والحاد کو بھی لے کر لوٹے، اور خود اپنے لئے اوراپنی قوم وملت کے لئے بھی فساد وبگاڑ کا سبب بنے۔ یہاں یہ بات ہم ببانگ دہل کہیں گے کہ ایسے حالات میں کم عمر اور مذکورہ شرائط سے تہی دامن لوگوں کو دیارِکفر بھیجنا، خونخوار کتوں کے آگے پھینک دینے کے مترادف ہے۔

② 'دیارِکفر' میں مقیم طالب علم کے پاس اس حدتک شرعی علم ہونا چاہئے جس کی وساطت سے وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرسکتا ہو، اورحق کی ضرب سے باطل کا قلع قمع کرسکتا ہو، تاکہ باطل کی جس روش پر اہل کفر جمے ہوئے ہیں، کہیں وہ ان سے متاثر ہوکر دھوکہ نہ کھا جائے۔ ان کے جھوٹ کو، سچ نہ سمجھ بیٹھے، یا حق اور باطل اس پر خلط ملط نہ ہوجائیں۔ کہیں اس باطل سے اپنا بچاؤ کرنے میں وہ ناکام نہ ہوجائے اور پھر سرگرداں ہوکر باطل کی پیروی میں نہ لگ جائے...... جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی ایک دعا میں یہ الفاظ آئے ہیں:

«اللّٰهُمَّ أَرِنِي الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنِي اِتِّبَاعَهُ وَأَرِنِي الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنِي اجْتِنَابَهُ وَلَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِسًا عَلَيَّ فَأَضِلَّ» (ابن کثیر:۱/۱۷۵)

''الٰہی! مجھے راہ حق دکھا دے اور (پھر) مجھے اس کی پیروی کی توفیق دے اور مجھے باطل رستے دکھا دے اوراس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما دے، اوراس (حق وباطل کی) راہ کو مجھ پر خلط ملط نہ کر، کہ میں راہِ حق سے بھٹک کر گمراہ ہوجاؤں۔''

③ کفروشرک والے ممالک میں سکونت پذیر طالب علم کے پاس اتنی دینی حمیت وجذبہ اور ایمانی غیرت ہو جو اسے بے راہ روی سے بچا سکے اور کفر وفسق کی لعنتوں سے اسے محفوظ رکھ سکے کیونکہ دینی اعتبار سے کمزور نوجوان، وہاں اقامت کے دوران کفر وفسق کے فتنہ وفساد سے محفوظ نہیں رہ سکتا، سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچالے۔ اور یہ اس معاشرے میں کفروشرک کے طاقتور ہونے اوراس کے ردعمل میں دینی قوتوں کے انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے ہے، اور جب یہ الحادی اور طاغوتی قوتیں کسی بھی جگہ اپنی مخالف قوتوں کو کمزور اور ناتواں

www.KitaboSunnat.com

پاتی ہیں تو فوراً اپنی تخریبی کارروائی شروع کردیتی ہیں۔

④ ایک شرط یہ ہے کہ جس علم کو حاصل کرنے کے لئے وہ دیارِ غیر میں بیٹھا ہے، اُس کی اس اعتبار سے انتہائی زیادہ ضرورت ہو کہ اس میں عام مسلمانوں کی مصلحت ہے۔ اور پھر اس جیسی تعلیم، اس کے اپنے ملک کے کسی مدرسہ یا تعلیمی ادارے میں نہ پائی جاتی ہو، اور نہ اس قسم کا کوئی ادارہ ہی موجود ہو۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسا علم ہے جس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو، یا اس جیسا تعلیمی ادارہ اس کے اپنے ملک یا کسی دوسرے اسلامی ملک میں موجود ہو جہاں سے وہی تعلیم پانا اس کے لئے ممکن ہو تو اس صورت میں اس کے لئے کفار و مشرکین کے درمیان رہ کر اُن کے ملک میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ایک تو اس کا ایسی جگہ پر ٹھہرنا اس کے دین اور اخلاقی اقدار کے لئے انتہائی خطرناک ہے اور دوسرا یہ کہ ایک نقصان دہ چیز کی طلب میں بہت زیادہ رقم خرچ ہوگی۔

▣ **چھٹی صورت:** کوئی شخص باقاعدہ کفار و مشرکین کے درمیان رہائش اختیار کرلے (یا کوئی طالب علم، کفار و مشرکین کے ساتھ تعلیمی ادارے میں سکونت اختیار کرے) تو ایسی اقامت، پہلی ذکر کردہ صورتوں سے اس لئے زیادہ خطرناک اور بڑی نقصان دہ ہے کہ اہل کفر کے ساتھ مکمل اختلاط سے بڑا فتنہ وفساد جنم لے گا، اور پھر اس شخص کا یہ تصور کہ یہ لوگ یہاں کے مقامی باشندے ہونے کے ساتھ ساتھ تعداد میں بھی زیادہ ہیں، اور ان کے ساتھ لین دین، مودّت ومحبت رکھنا اور ان کے رسم ورواج کو اپنانا، یہاں ان کے وطن میں رہنے کے لئے اُس کی ایک مجبوری ہے، اور ان کے درمیان سکونت کا تقاضا بھی۔ تو انجام کار یہ ہوگا کہ اس کے اِہل خانہ کفار کے درمیان پروان چڑھیں گے، جہاں (نہ چاہتے ہوئے بھی) وہ ان کے طرزِ حیات، اخلاق و عادات اور غیر اسلامی رسومات کو اپنالیں گے، اور بسا اوقات تو دینی معاملات اور خاص طور پر عقائد وعبادات میں بھی ان کی بدعات وخرافات میں آنکھیں بند کئے پیروی کریں گے۔ اس ضمن میں اللہ کے نبی ﷺ کا یہ فرمان ہمیں یاد رکھنا چاہئے:

«مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ» (سنن ابوداود:۲۷۸۷)

www.KitaboSunnat.com

''جومشرک کے ساتھ بیٹھا اوراس کے ساتھ سکونت اختیار کی تو وہ اسی کی مانند ہے۔''

یہ حدیث اگرچہ اپنی سند کے اعتبار سے ضعیف ہے،لیکن حقیقت یہی ہے کہ کسی شخص کا کسی قوم کے ساتھ مل جل کر رہنا آخر کار ان کی مشابہت اور موافقت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں، جس نے مشرکوں کے درمیان اقامت اختیار کی، صحابہ کرامؓ نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ، کس وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:«لا ترا ءی نارھما»

(سنن ابوداود:۲۶۴۵، جامع ترمذی:۱۶۰۴)

''ان (اہل ایمان اورمشرکین) کوتو ایک دوسرے کی جلائی ہوئی آگ بھی نہیں دکھائی دی جانی چاہئے۔'' (یعنی ان کی اقامت ورہائش کے درمیان کم ازکم اتنا فاصلہ ضرور ہونا چاہئے)

اس حدیث کو امام ابوداودؒ اور امام ترمذیؒ نے اپنی اپنی 'سنن' میں روایت کیا ہے اور اکثر راویوں نے اسے قیس بن حازم تابعیؒ سے 'مرسل' بیان کیا ہے۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے:

''صحیح یہ ہے کہ قیس بن حازمؒ کی یہ حدیث اللہ کے نبی ﷺ سے 'مرسل' ہے''

اگر معاملہ اس حد تک خطرناک ہوتو ایک مؤمن اس بات کو کیونکر گوارا کرسکتا ہے، کہ وہ 'بلادِ کفار' میں مستقل رہائش اختیار کرے جہاں کھلے عام کفریہ شعائر کا پرچار ہوتا ہواور اللہ جل جلالہٗ اوراس کے رسولؐ کے حکم کے علاوہ، طاغوت کے اَحکام وقوانین نافذ ہوں اور وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا اور اپنے کانوں سے سنتا ہواوراس پر مطمئن بھی رہتا ہو، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ اپنے آپ کو انہی کافروں کے ممالک اور اقوام کی طرف منسوب کرتا ہو، اور وہ وہاں 'غیر مسلم معاشرے' میں اپنے اہل وعیال سمیت رہائش پذیر ہو، اور اس طرح مطمئن زندگی بسر کرتا ہو جیسے وہ کسی مسلم معاشرے اور مسلمان ملک میں رہائش اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ اپنے اہل وعیال اور خاندان کے اخلاق وکردار اور دینی اقدار پر اس کافر معاشرے کے بڑے خطرات اور زہریلے اثرات کے ہولناک اور تباہ کن نتائج سے بخوبی آگاہ بھی ہو، ایک مسلمان اسے قطعاً گوارا نہیں کرسکتا۔

(ماخوذ از کتاب 'شرح اُصولِ ثلاثہ' مترجم: زیر طبع)

www.KitaboSunnat.com

مباحثہ علمیہ

'مسجد ِاقصیٰ کی شرعی تولیت' اور 'اشراق کے مجوزہ حل'

پر محمد عمار ناصر اور حافظ حسن مدنی میں مراسلت

چند برس قبل حلقہ اشراق نے مسجد اقصیٰ کے بارے میں سلسلۂ مضامین شائع کرنے کے بعد مسلم اُمہ میں پہلی بار یہ دعویٰ کیا تھا کہ مسجد اقصیٰ کے متولی مسلمانوں کے بجائے شرعاً یہود ہیں اور مسجد اقصیٰ پر یہود کا ویسا ہی حق ہے جیسے بیت اللہ پر مسلمانوں کا۔ بعض حالیہ بحثوں میں ان کا موقف مزید نکھر کر سامنے آیا ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ کو حقائق سے ماورا مسلمانوں کی خود ساختہ مسجد ِاقصیٰ قرار دیتے ہیں جبکہ ان کی نظر میں حقیقی مسجد اقصیٰ قبہ صخرہ ہی ہے۔ اپنے مضامین کے آخر میں اس مسئلہ کا قابل عمل حل اُنہوں نے یہ تجویز کیا تھا کہ قبہ صخرہ چونکہ مسجد اقصیٰ کا حقیقی مصداق ہے جس کی تولیت شرعاً یہود کے پاس ہے، اس بنا پر یہود کو وہاں ان کا مزعومہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔
راقم نے گذشتہ 'محدث' میں مسجد اقصیٰ پر صیہونی جارحیتوں کا تذکرہ کیا جس میں پیش کردہ حقائق و وقائع سے اس کے برعکس صورتحال کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ مسجد اقصیٰ کی تولیت کی شرعی بحث سے تعرض ہی نہیں کیا گیا کیونکہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ اللہ کے پسند کردہ واحد دین 'اسلام' کے حامل ہونے کے ناطے اُمت ِمحمدیہ ہی اس عظیم المرتبت مسجد کی شرعاً وارث ومتولی ہے جبکہ قرآن تو یہود ونصاریٰ کو مغضوب اور ضالین میں شمار کرتا ہے۔ نقطہ نظر کے ان واضح اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے اشراقی محققین نے اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لئے راقم کی بعض تحریروں کو اپنا من پسند مفہوم دینے کی کوشش کی اور اپنے پیش کردہ حل میں شریک کرنے کی ناروا سعی بھی کی ہے۔ اس ممکنہ اشراقی حل کے بارے میں راقم کی رائے یہ ہے کہ اشراقی محققین اس سلسلے میں صہیونیوں کے فریب کا شکار ہوئے ہیں کیونکہ صہیونیوں کا ۴۰ سالہ طرزِ عمل اسی امر کی چغلی کھاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرح قبہ صخرہ کو حقیقی مسجد اقصیٰ سمجھنے کی بجائے موجودہ مسجد اقصیٰ کے مقام پر ہی اپنا ہیکل تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حلقہ اشراق کا 'محققانہ موقف' ہر دو ملتوں کے ہاں کوئی وقعت نہیں رکھتا اور ان کا طویل سلسلۂ مضامین ایک لایعنی نتیجہ پر ختم ہوا ہے۔ بہرطور اس موضوع پر دو طرفہ خط وکتابت ہدیۂ قارئین ہے:

جناب محمد عمار خاں ناصر کا پہلا خط

برادرِ محترم حافظ حسن مدنی صاحب   السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ 'محدث' کے مارچ ۲۰۰۷ء کے شمارے میں ''مسجد

www.KitaboSunnat.com

اقصیٰ صہیونیوں کے نرغے میں'' کے زیر عنوان آپ کا تفصیلی اور معلوماتی اداریہ پڑھنے کو ملا اور اس بات پر خوشگوار حیرت ہوئی کہ میں نے 'الشریعۃ' کے ستمبر/ اکتوبر ۲۰۰۳ء اور اپریل/مئی ۲۰۰۴ء کے شماروں میں شائع ہونے والی اپنی تفصیلی تحریروں میں شرعی زاویہ نگاہ سے اس معاملے کے جس بنیادی پہلو کی طرف اہل علم کی توجہ مبذول کرائی تھی، آپ کی تازہ تحریر میں اس کو تسلیم کرتے ہوئے مسجد ِاقصیٰ کے حوالے سے ایک ایسا موقف اختیار کیا گیا ہے جو اُمت مسلمہ کے مروّجہ جذباتی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی موقف سے بالکل مختلف ہے اور جس سے، صورتِ حال کے واقعی تجزیے اور حکمت ِعملی کے بعض پہلووں سے قطع نظر، کوئی اُصولی اختلاف غالباً نہیں کیا جاسکتا۔ میری پوری بحث کا حاصل یہی تھا کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل سے، جسے قرآنِ مجید نے 'مسجد اقصیٰ' کے نام سے یاد کیا ہے، بنی اسرائیل کے حق تولیت کو ازروے شریعت منسوخ قرار دینے کا تصور اور اس کی بنیاد پر تقریباً ۱۵۰۰ فٹ لمبے اور ۱۰۰۰ فٹ چوڑے موجودہ احاطہ ہیکل (Temple Mount) کے پورے رقبے اور بالخصوص اس کے وسط میں موجود صخرۂ بیت المقدس اور اس پر اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے تعمیر کردہ 'قبۃ الصخرۃ' کو بلاشرکت غیرے مسلمانوں کی ملکیت قرار دینے کا دعویٰ شرعی واخلاقی لحاظ سے درست نہیں، اس لیے مسلمانوں کو اپنا دعواے استحقاق تاریخی وواقعاتی بنیاد پر اس احاطے کی جنوبی دیوار کے ساتھ قائم اس مسجد تک محدود رکھنا چاہیے جہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے موقع پر نماز ادا کر کے اسے مسلمانوں کی عبادت کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ (یہ مسجد خود سیدنا عمرؓ نے تعمیر نہیں فرمائی تھی☆ ، بلکہ بعد کے دور میں مسلمانوں کی تعمیر کردہ ہے۔ ابتدا میں اسے 'مسجد عمرؓ' کا نام دیا گیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ 'مسجد اقصیٰ' ہی کے نام سے معروف ہوگئی جو ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کی ذکر کردہ 'مسجد اقصیٰ' یعنی حضرت سلیمان کی تعمیر کردہ مسجد سے مختلف ایک اصطلاح ہے)

آپ نے اپنی تحریر میں اس بنیادی نکتے کو تسلیم فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''اس مسجد پر مسلمانوں کے استحقاق کی وجہ تاریخی طور پر یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے اس مقام پر مسجد کو تعمیر کیا تھا تو اس وقت یہ جگہ ویران تھی۔ حضرت عمرؓ نے خود یہاں سے کوڑا کرکٹ

www.KitaboSunnat.com

صاف کر کے اس مسجد کو قائم کیا تھا۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ جیسا عادل حکمران کسی اور قوم کی عبادت گاہ پر اسلامی مرکز تعمیر کر کے کسی دوسری قوم کا مذہبی حق غصب کریں گے۔'' (محدث، مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۵)

''اگر یہود اس علاقے میں کوئی ہیکل تعمیر کرنا بھی چاہتے ہیں جس سے ان کے مذہبی جذبات وابستہ ہیں تو اس کے لیے مسجد ِاقصیٰ کا انہدام کیوں ضروری ہے اور وہ عین اس مقام پر ہی کیوں تعمیر ہوتا ہے جہاں یہ مقدس عمارت موجود ہے؟ مسجد ِاقصیٰ کے احاطے میں شمال مغربی حصہ اور دیگر بہت سے حصے بالکل خالی ہیں، وہاں وہ قبہ بھی ہے جس کے بارے میں اکثر مسلم علما کا موقف یہ ہے کہ اس قبہ صخرہ کی کوئی شرعی فضیلت نہیں، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے یہاں نماز پڑھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ یوں بھی یہود کے ہاں قبلہ کی حیثیت اس کو حاصل رہی ہے کیونکہ اُنھوں نے خیمہ اجتماع کو اپنا قبلہ بنایا ہوا تھا جو قبہ صخرہ کے مقام سے اُٹھا لیا گیا، چنانچہ قبہ صخرہ کو اس کا آخری مقام ہونے کے ناطے اُنہوں نے اسے ہی اپنا قبلہ قرار دے لیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہود قبہ صخرہ پر کوئی تصرف کرنے کی بجائے سارا زور مسجد اقصیٰ پر ہی صرف کر رہے ہیں؟'' (ایضاً: ص ۱۸)

ان اقتباسات کی روشنی میں میرے ناقص فہم کے مطابق نتیجے کے اعتبار سے آپ کے موقف اور میرے نقطہ نظر میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ البتہ اس کے ساتھ اپنی تحریر کے آخر میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

☆ ہمیں اس امر سے اتفاق نہیں، علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: والصلاة في هذا المصلى الذي بناه عمر للمسلمين أفضل من الصلاة ...... اور كان أئمة الأمة إذا دخلوا المسجد قصدوا الصلاة في المصلى الذي بناه عمر (مجموع فتاویٰ: ۶/۱۸۷)

''اس مقام پر نماز ادا کرنا افضل ہے جسے عمرؓ نے مسلمانوں کے لئے تعمیر کیا تھا......'' مزید برآں ''اُمت ِمسلمہ کے ائمہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اس مقام پر نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے جسے عمرؓ نے تعمیر کیا تھا۔''

غالباً جناب عمار ناصر اس مسجد کی تعمیر کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرنے سے اس بنا پر گریز کر رہے ہیں کیونکہ اس طرح جس مسجد کو وہ مسلمانوں کا تصرف قرار دے رہے ہیں، اس کی زد میں خلیفہ راشد حضرت عمرؓ بھی آجاتے ہیں۔ جبکہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل، صحابہؓ کرام کا اس پر نکیر نہ کرنا اور ائمہ اسلافؒ کا اس کے مطابق عمل کرنا ایسے قرائن ہیں جن سے حضرت عمرؓ کے اس فعل کی حیثیت کا تعین ہو جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

''اُمتِ مسلمہ کے فرزند آج ۴۰ برس گزرنے کے بعد بھی نہ صرف مطمئن و پرسکون ہیں بلکہ آہستہ آہستہ کوتاہی اور مداہنت یوں اپنا اثر دکھا رہی ہے کہ مسلمانوں میں بعض ایسے کرم فرما بھی پیدا ہوگئے ہیں جو مسجد اقصیٰ کو اسی طرح یہود کی تولیت میں دے دینے کے داعی ہیں جیسے مسلمانوں کے پاس بیت اللہ الحرام کی تولیت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!'' (ص ۲۰)

اگر یہ اشارہ......جیسا کہ گمانِ غالب ہے ...... میری تحریروں کی طرف☆ ہے تو میں، فی الواقع، آپ کی اس تعریض کا مدعا نہیں سمجھ سکا۔ اگر تو مسجد ِاقصیٰ سے آپ کی مراد حضرت سلیمان کا تعمیر کردہ ہیکل ہے جس کا محل وقوع قبۃ الصخرہ کے قریب ہے تو اس پر تصرف اور تولیت کی اجازت بلکہ ترغیب تو آپ خود بھی یہود کو دے رہے ہیں، اور اگر اس سے مراد حضرت عمرؓ کے مخصوص کردہ مقام پر تعمیر کی جانے والی مسجد یعنی موجودہ 'مسجد اقصیٰ' ہے تو میری تحریر میں کہیں بھی اس کی تولیت یہود کے سپرد کردینے کی بات نہیں کہی گئی، بلکہ 'الشریعۃ' کے اپریل رمئی ۲۰۰۴ کے شمارے میں، میں نے اس بحث کا اختتام ہی اس نکتے پر کیا ہے کہ

''مسلمانوں کو پوری دیانت داری کے ساتھ اپنے موجودہ موقف پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان

☆ اس تعریض کا روئے سخن حلقہ اشراق کی طرف ہے۔ہم ماضی میں بھی اس نقطہ نظر کا مرکز ومحور 'اشراق' کو قرار دیتے تھے اور اب بھی آپ کے کئی دیگر مخلصین کی طرح اس بحث کا مرکزِ ثقل آپ کے زیرادارت مجلّہ 'الشریعۃ' کی بجائے 'اشراق' کو ہی سمجھتے ہیں۔ آپ کی یہ تحریریں 'الشریعۃ' کی بجائے اشراقی طرزِ فکر کی نمائندگی کرتی ہیں جس میں آپ کی حیثیت اشراق کے شعبۂ تالیف کے ایک باضابطہ رکن ہونے کے ناطے ان کے دیگر اراکین تحقیق کی طرح ایک مرتب سے زیادہ نہیں۔ 'اشراق' کی ان مباحث میں دلچسپی کا اس امر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ماضی میں بھی آپ کی ان تحریروں کو الشریعہ سے کافی پہلے 'اشراق' میں شائع کیا گیا تھا اور یہ حالیہ خط وکتابت بھی سب سے پہلے 'اشراق' میں ہی منظر عام پر آرہی ہے۔ جہاں تک 'الشریعۃ' کا تعلق ہے تو ادارہ الشریعہ اس مستعار فکر میں آپ کا ہرگز ہم نوا نہیں جس پر الشریعہ اکیڈمی کے ناظم مولانا حافظ محمد یوسف اور آپ کے والدِ گرامی جو 'الشریعۃ' کے مدیر اعلیٰ ہیں، کی تحریریں بھی شاہد ہیں۔ مقامِ افسوس یہ ہے کہ آپ حلقہ اشراق میں وقتی پذیرائی ......جس کی داخلی پیچیدگیوں سے بھی آپ بخوبی آگاہ ہیں...... سے متاثر ہوکر ایک طرف 'الشریعۃ' جیسے اہم مجلّے کو اشراقی فکر کا خادم بنا کر اور دوسری طرف اپنے بلند قامت علمی خانوادہ کی دین کے لئے عظیم مساعی کو نظر انداز کرکے ایسے گروہ کی فکری ہم نوائی پر مصر ہیں، جن کے فکری میلانات اور اسلام مخالف رجحانات اب پاکستان میں کسی غور وفکر کرنے والے سے مخفی نہیں رہے۔

www.KitaboSunnat.com

بے بنیاد مذہبی تصورات کو خیر باد کہنا ہوگا جو پوری عبادت گاہ سے یہود کے حق تولیت کی تنسیخ یا قبۃ الصخرہ کی اہمیت وتقدس کے حوالے سے وضع کر لیے گئے ہیں اور سیدنا عمرؓ کے طرزِ عمل کی اتباع میں اپنے حق کو اس جگہ تک محدود ماننا ہوگا جہاں روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کا تذکرہ ملتا ہے اور جسے سیدنا عمرؓ نے مسلمانوں کی عبادت کے لیے مخصوص فرما دیا تھا۔'' (ص ۴۷)

آپ کے مضمون میں اٹھائے جانے والے بعض قانونی نکات اور واقعاتی تفصیلات پر بحث واختلاف کی گنجایش موجود ہے، لیکن ان سے قطع نظر کرتے ہوئے موجودہ مسجد اقصیٰ کے انہدام کے حوالے سے جن صہیونی عزائم کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ اگر درست ہیں تو یقیناً اُمت ِمسلمہ کو اپنے حق کا دفاع پوری جرات اور استقامت کے ساتھ کرنا چاہیے۔ خدا کرے کہ اُمت ِمسلمہ کے دل میں 'اپنے حق' کے تحفظ کے ساتھ ساتھ 'نفس حق' کو پہچاننے اور اس کو تسلیم کرنے کا جذبہ بھی بیدار ہو جائے۔

محترم حافظ عبدالرحمٰن مدنی اور ادارہ کے دیگر رفقا کی خدمت میں سلام اور آداب عرض ہے۔

جواب از حافظ حسن مدنی

برادرِ گرامی محمد عمار خاں ناصر صاحب   السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مراسلہ ملا، شکر گزار ہوں کہ مسجد اقصیٰ کے حالات وواقعات پر مبنی میرے مضمون کا نہ صرف آپ نے مطالعہ کیا بلکہ اس کی افادیت اور واقعاتی استدلال سے بھی اتفاق فرمایا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اطمینان اس امر پر ہے کہ آپ نے اپنے مراسلے کے آخر میں مسجد ِاقصیٰ کے تحفظ کے بارے میں ان جذبات سے بھی اتفاق ظاہر کیا جو مسلم اُمہ میں بالعموم پائے جاتے ہیں۔ آپ کے الفاظ میں ''موجودہ مسجد اقصیٰ کے انہدام کے حوالے سے جن صہیونی عزائم کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ اگر درست ہیں تو یقیناً اُمت ِمسلمہ کو اپنے حق کا دفاع پوری جرات اور استقامت کے ساتھ کرنا چاہئے۔'' مزید برآں میرے موقف پر یہ تبصرہ کہ ''کوئی اُصولی اختلاف غالبًا نہیں کیا جاسکتا'' لکھ کر بھی آپ نے میرے استدلال کو تقویت بخشی۔

میرا یہ مضمون مسجدِ اقصیٰ کے بعض حالیہ واقعات کے حوالے سے تھا اور میں نے مضمون کے مقدمہ میں ہی اس امر کی صراحت کر دی تھی کہ مسجد اقصیٰ پر دینی رسائل میں جاری شرعی بحث

www.KitaboSunnat.com

سے اس مضمون کا کوئی تعلق نہیں، اور اس حوالے سے مستقل مضمون درکار ہے۔ چنانچہ میرے اس مضمون میں شرعی موقف کو سرے سے پیش نہیں کیا گیا تھا، اس کے باوجود میرے لئے یہ امر چونکا دینے والا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی شرعی تولیت پر تین برس قبل شائع ہونے والے آپ کے طول طویل مباحث اور ان کے نتائج سے آپ نے مجھے بھی ازخود متفق قرار دے لیا ہے۔ اور اس اتفاق کے اظہار کے لئے آپ نے میرے مضمون کے دو اقتباسات پیش کئے ہیں۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ ان اقتباسات کو سیاق سے کاٹ کر آپ نے اپنے من مانے مفہوم میں لیا ہے جبکہ ان سے میرا مدعا ہرگز وہ نہیں جو آپ باور کرا رہے ہیں۔ میرے مضمون کے مطالعے کی بجائے آپ اس سے وہ شواہد تلاش کرتے رہے ہیں جن سے کسی طور آپ کے متنازعہ موقف کی ہم نوائی ہوتی ہو، وگرنہ ان اقتباسات کا یہ مفہوم میرے حاشیہ خیال میں بھی موجود نہیں۔ آپ کو بخوبی یاد ہوگا کہ آپ کے مضامین کی اشاعت کے بعد علما کے حلقے میں سے غالباً کوئی ایک رائے بھی آپ کی تائید میں شائع نہیں ہوئی اور مسجدِ اقصیٰ پر آپ کے مضامین دینی صحافت کے متنازعہ ترین مقالات میں سے ہیں جس پر 'الشریعہ' کے متعدد مراسلے اور مستقل مضامین بھی شاہد ہیں، جبکہ میرے مضمون کا موضوع ہی اس سے مختلف ہے۔

بہرحال آپ نے یہ الفاظ '' میرے ناقص فہم کے مطابق نتیجے کے اعتبار سے آپ کے موقف اور میرے نکتہ نظر میں کوئی خاص فرق نہیں۔'' لکھ کر جس طرح مجھے اپنا ہم نوا قرار دیا ہے، اس سے میں متفق نہیں ہوں کیونکہ جہاں تک میرے شرعی موقف کا تعلق ہے تو میں اس پر ایک مستقل مقالہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

آپ کے موقف کے بارے میں فی الحال چند تنقیحات پر اکتفا کرتا ہوں:

- کیا آپ صہیونیت کے نام نہاد دعوے 'ہیکل سلیمانی' کے قائل نہیں بلکہ اس کو دوبارہ تعمیر کرنے کے مؤید بھی ہیں؟
- کیا آپ مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کی بجائے یہود کو تولیت کا حق دینے کے داعی نہیں؟
- کیا آپ مسلمانوں کے موقف کو جذباتی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی قرار نہیں دیتے؟
- کیا آپ 'دیوارِ گریہ' کے قائل نہیں اور اسے بھی یہود کا حق قرار دیتے ہیں؟

www.KitaboSunnat.com

جبکہ دوسری طرف مسلم اُمہ کے زعما بالعموم ان میں سے کسی بات کو تسلیم نہیں کرتے۔

جہاں تک 'واقعاتی نتیجہ' میں بظاہر اتفاق کا مسئلہ ہے تو میری رائے میں اس کی حیثیت بھی چند الفاظ کے اشتراک سے زیادہ کچھ نہیں، حقیقت اور امر واقعہ اس کے عین برعکس ہے۔ ماضی قریب میں آپ کے پیش کردہ 'ممکنہ حل' اور موجودہ مراسلہ کے گہرے مطالعے کے بعد میں پوری بصیرت سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے اور آپ کے پیش کردہ نتیجے میں عملاً کوئی مماثلت نہیں پائی جاتی۔ آپ احاطہ قدس میں یہودیوں کی شراکت کے قائل ہیں جبکہ میں اس سے متفق نہیں۔

اس سلسلے میں مزید تفصیلات پر گفتگو کرنے سے قبل میری گذارش ہے کہ اس موضوع پر آپ کی سابقہ تحریروں کی غیر معمولی طوالت کی وجہ سے بعض بنیادی باتوں کے بارے میں آپ کے موقف میں نکھار باقی نہیں رہا۔ اشتراک کا شائبہ پیدا ہونے کی وجہ یہی ابہام اور احتمال ہے۔ اگر آپ حسبِ ذیل سوالات کی دوٹوک وضاحت فرما سکیں تو آپ کے مراسلہ میں ذکر کردہ دعوائے اتفاق پر میں اپنا بادلائل موقف پیش کرسکوں گا۔ اس دوٹوک نکھار کی ضرورت اس لئے زیادہ ہے کہ اس طرح کئی برس سے جاری یہ بحث بہت جلد کسی حتمی نتیجہ پر پہنچ جائے گی:

① مسجدِ اقصیٰ اور ہیکل سلیمانی آپ کی نظر میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، آپ کے نزدیک اس [حقیقی]☆ مسجد اقصیٰ کا مصداق کونسی جگہ ہے؟ قبہ صخرہ، فوارۂ کاس، [حالیہ] مسجد اقصیٰ یا کوئی اور

② [حالیہ] مسجدِ اقصیٰ جہاں حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی تھی، کیا [حقیقی] مسجدِ اقصیٰ یہی نہیں؟ اگر نہیں تو آپ اس مسجد کو کیا حیثیت دیتے ہیں؟

③ [حقیقی] مسجدِ اقصیٰ پر کیا مسلمانوں اور یہود ہر دو اقوام کا استحقاق ہے، اگر دونوں کا حق مشترک ہے تو اس حق کی نوعیت کیا ہے اور ان میں سے کس کا حق آپ برتر سمجھتے ہیں؟

④ حق کی برتری کی صورت میں عملاً اس قوم کے لئے آپ کیا اقدام تجویز کرتے ہیں اور مرجوح حق والی قوم کے لئے کیا؟

☆ ان سوالات میں [ ] میں درج الفاظ کی تقسیم جناب عمار ناصر صاحب کی ہے، محض تعین کے لئے ان کو استعمال کیا گیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

⑤ شدِ رحال والی متفق علیہ حدیث (مساجدِ ثلاثہ) اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کی فضیلت والے فرمانِ نبویؐ پر عمل کی آپ مسلمانوں کے لئے عملی صورت کیا تجویز کرتے ہیں؟

چونکہ اس بحث کو آپ نے ہی شروع کیا اور اس کے ہر پہلو پر تفصیل سے تحقیق بھی فرمائی، اس لئے اس بحث کے ان اہم نکات کا دوٹوک جواب بھی اخلاقاً آپ کو دینا چاہئے کیونکہ حق کو واضح ہونا چاہیئے اور اس میں کوئی ابہام نہیں رہنا چاہیئے۔ بہتر ہوگا کہ آپ دوٹوک اور معروضی اُسلوب میں ان کے جواب دے کر تفصیلی دلائل کے لئے اپنے ۱۵۰ صد سے زائد صفحات کے متعین پیرا گرافوں کی نشاندہی کردیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کے جوابات کے بعد پیش نظر مسئلہ کافی حد تک از خود ہی واضح ہوجائے گا۔ تاہم آپ کے جواب کے بعد میں بڑی وضاحت اور صراحت سے اپنا تفصیلی موقف تحریر کروں گا، تاکہ اس اہم شرعی مسئلہ پر ہمارے قارئین کسی واضح نتیجہ تک پہنچ سکیں۔ ان شاء اللہ

اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

جناب محمد عمار خاں ناصر کا دوسرا خط

برادرم حافظ حسن مدنی صاحب

السلام علیکم ورحمة اللہ مزاجِ گرامی؟

میرے خط کے جواب میں آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ بے حد شکریہ!

میں اشتیاق کے ساتھ منتظر رہوں گا کہ مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے شرعی پہلو سے متعلق آپ کا مستقل مضمون کب معرضِ تحریر میں آتا ہے اور اس میں آپ کیا نقطہ نظر اختیار فرماتے اور اس کے حق میں کیا استدلالات پیش کرتے ہیں؟ سردست میں اپنی گزارشات کو آپ کے حالیہ مکتوب کے مندرجات تک محدود رکھوں گا۔

آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے آپ کے مضمون سے اپنے اور آپ کے موقف میں جو اشتراک اخذ کیا ہے، وہ درست نہیں، بلکہ ایسا آپ کے اقتباس کو سیاق وسباق سے ہٹا کر من مانے معنی پہناتے ہوئے کیا گیا ہے۔ تاہم آپ نے اس اقتباس سے میرے اخذ کردہ نتیجے کی تردید تو فرمائی ہے لیکن اپنے مضمون کے سیاق وسباق کی روشنی میں اس کا صحیح مدعا اور مفہوم

www.KitaboSunnat.com

واضح کرنے کی زحمت نہیں کی۔ میں آپ کا اقتباس یہاں دوبارہ نقل کرنا چاہوں گا:

''اگر یہود اس علاقے میں کوئی ہیکل تعمیر کرنا بھی چاہتے ہیں جس سے ان کے مذہبی جذبات وابستہ ہیں تو اس کے لیے مسجد اقصیٰ کا انہدام کیوں ضروری ہے اور وہ عین اس مقام پر ہی کیوں تعمیر ہوتا ہے جہاں یہ مقدس عمارت موجود ہے؟ مسجد اقصیٰ کے احاطے میں شمال مغربی حصہ اور دیگر بہت سے حصے بالکل خالی ہیں، وہاں وہ قبہ بھی ہے جس کے بارے میں اکثر مسلم علما کا موقف یہ ہے کہ اس قبہ صخرہ کی کوئی شرعی فضیلت نہیں، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے یہاں نماز پڑھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا...... پھر کیا وجہ ہے کہ یہود قبہ صخرہ پر کوئی تصرف کرنے کی بجائے سارا زور مسجدِ اقصیٰ پر ہی صرف کر رہے ہیں؟'' (محدث: مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۱۸)

ازراہِ کرم آپ واضح فرمائیں کہ جب آپ ہیکل کی تعمیر کے لیے یہود کو موجودہ مسجد اقصیٰ کے بجاے احاطہ ہیکل ہی میں واقع دیگر مقامات، مثلاً قبۃ الصخرہ وغیرہ کی راہ دکھا رہے ہیں اور یہ بھی بتا رہے ہیں کہ ان مقامات کی آپ کے نزدیک کوئی شرعی فضیلت نہیں تو اس کا مطلب مذکورہ مقامات پر تصرف وتولیت میں عدم دلچسپی ظاہر کرنے کے سوا کیا نکلتا ہے؟ اگر یہود آپ کی دکھائی ہوئی راہ پر چلتے ہوئے قبۃ الصخرہ کی جگہ پر اپنا ہیکل تعمیر کرنا چاہیں تو وہ آخر زمین کے اوپر ہی بنے گا یا 'بغیر عمد ترونها' فضا میں معلق ہوگا؟ اور اگر آپ یہود کا ہیکل تعمیر کرنے کا حق تو تسلیم کرتے ہیں، لیکن احاطے یا ہیکل کی تولیت میں انھیں کسی طرح بھی شریک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو یہ واضح فرمائیے کہ کیا ہیکل کی تعمیر کے بعد یہودی قوانین کے مطابق اس میں رسوم عبادت ادا کرنے اور کاہنوں سے متعلقہ مذہبی خدمات بجا لانے کا فریضہ بھی آپ خود ہی انجام دیں گے؟ اور اگر یہ حق بھی آپ یہود کے لیے تسلیم کرتے ہیں تو مذہبی معنوں میں کسی عبادت گاہ پر تصرف وتولیت اور کیا چیز ہوتی ہے؟

کوئی مصنف جب اپنی تحریر سے واضح طور پر نکلنے والے کسی نتیجے کو Own کرنے سے انکار کرتا ہے تو اسکی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ اس نے وہ تحریر اچھی طرح سوچ سمجھ کر نہیں لکھی ہوتی اور یا یہ کہ وہ اپنی تحریر میں ملفوف نتیجے کا واضح اعتراف کرنے کے لیے درکار اخلاقی جرات سے محروم ہوتا ہے۔ میں حسن ظن رکھتا ہوں کہ آپ کے معاملے میں یہ دوسری صورت نہیں پائی جاتی۔

آپ نے اپنے مکتوب کے آخر میں میرے موقف کے حوالے سے جن نکات کی وضاحت

www.KitaboSunnat.com

طلب فرمائی ہے، ان سب کی تفصیل میں اپنی تحریروں میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں، تاہم آپ کی فرمایش پر انھیں دوبارہ دہرا دیتا ہوں:

① قرآنِ مجید نے 'مسجدِ اقصیٰ' کا لفظ ہیکل سلیمانی کے لیے استعمال کیا ہے۔ موجودہ احاطہ ہیکل کے اندر اس کا محل وقوع یقینی طور پر معلوم نہیں، تاہم غالب گمان کے مطابق اس کو صخرۂ بیت المقدس (جس کے اوپر اس وقت 'قبۃ الصخرہ' قائم ہے) کے قرب وجوار میں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ صخرہ بنی اسرائیل کے لیے قبلے کی حیثیت رکھتا تھا اور ہیکل کی عمارت کے اندر ہی واقع تھا۔ اس وقت مسلمان جس مسجد کو 'مسجد اقصیٰ' کہتے ہیں، وہ عین ہیکل سلیمانی کی جگہ پر واقع نہیں، بلکہ احاطہ ہیکل کی جنوبی دیوار کے قریب اس جگہ تعمیر کی گئی ہے جہاں فتح بیت المقدس کے موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

② و⑤ موجودہ مسجد اقصیٰ، ہیکل سلیمانی (یعنی قرآن مجید کی ذکر کردہ 'مسجد اقصیٰ') کی اصل عمارت کا حصہ نہ ہونے کے باوجود توسیعی طور پر مسجد ہی کے حکم میں ہے، اس لیے اس میں نماز ادا کرنے کی وہی فضیلت اور ثواب ہے جو صحیح احادیث میں مسجد اقصیٰ کے حوالے سے ثابت ہے۔

③ و④ بنی اسرائیل کی مرکزی عبادت گاہ، قربان گاہ اور قبلہ ہونے کے ناتے ہیکل سلیمانی یعنی اصل مسجد اقصیٰ کی تولیت شرعی واخلاقی طور پر انھی کا استحقاق ہے اور قرآن وسنت میں ان کے اس حق کی تنسیخ کی کوئی دلیل نہیں۔ مسلمانوں کا حق اس مسجد کے حوالے سے یہ ہے کہ انھیں یہاں عبادت کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہیکل سلیمانی کی اصل عمارت کے بجائے اس سے بالکل ہٹ کر احاطہ ہیکل کے جنوب میں، جہاں اس وقت موجودہ مسجد اقصیٰ واقع ہے، مسلمانوں کے لیے عبادت کی جگہ متعین کر کے دونوں اقوام کے مذہبی حق کے تحفظ اور پاس داری کی ایک واضح صورت متعین فرما دی تھی اور اُمتِ مسلمہ کو اسی کی پابندی کرنی چاہیے۔

اگر اس ضمن میں مزید کوئی نکتہ وضاحت طلب ہو تو میں اس کے لیے حاضر ہوں۔

جواب از حافظ حسن مدنی

برادرِ محترم جناب محمد عمار خاں ناصر السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا جواب موصول ہونے پر شکر گزار ہوں۔ سردست آپ کے حسبِ ارشاد اُس اقتباس کے سیاق پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جسے آپ اپنے موقف کی حمایت قرار دینے پر مصر ہیں۔ جیسا کہ میں پچھلے مراسلے میں تحریر کر چکا ہوں کہ میں نے حالیہ مضمون شرعی موقف کے حوالے سے عمداً نہیں لکھا کیونکہ اس مضمون کی وجہ تحریر مسجد اقصیٰ پر حالیہ جارحیت بنی تھی نہ کہ دینی رسائل میں جاری ۴ سالہ پرانی بحث، اسی بنا پر میں نے مقدمہ میں بھی اس کی صراحت کو مناسب خیال کیا۔ چنانچہ میرے اس مضمون میں ان واقعات کو ترتیب وار پیش کیا گیا کہ مسجد اقصیٰ ان دنوں کن حالات سے دوچار ہے۔ اس بنا پر کوئی شخص ان واقعات کے وقوع سے انکار کرے، یا اُنہیں مفروضہ قرار دے تو ایسا اعتراض تو اس مضمون کے ضمن میں کیا جاسکتا ہے، البتہ جب میں نے کوئی شرعی موقف خود بھی اختیار نہیں کیا اور اس کے دلائل نہیں دیے، تو میری ایک عبارت سے اپنے تئیں وہ موقف کیسے کشید کیا جاسکتا ہے، جس سے تعرض نہ کرنے کا صاحبِ مضمون خود شروع میں اظہار کر چکا ہے؟

آپ کا کہنا ہے کہ ''نتیجے کے اعتبار سے آپ کے موقف اور میرے نکتہ نظر میں کوئی خاص فرق نہیں۔'' یہ دعویٰ کرنا اس وقت ممکن ہوتا جب یہ کہا جاسکتا کہ میں نے بھی آپ کے 'ممکنہ حل' کی طرح، اپنے پیش کردہ اقتباس کے ذریعے صہیونی شورشوں کا یہ حل پیش کیا ہے کہ قبہ صخرہ یہود کے حوالے کردیا جائے۔ جبکہ میرے مضمون میں مسجدِ اقصیٰ پر اسرائیلی تسلط کے بعد ۴۰ سالہ مختصر تاریخ، ہیکل مزعوم کی تعمیر کے صہیونی جنون کے تذکرہ اور حالیہ جارحیت کے چار امکانات پیش کرنے کے بعد موجودہ مقام، جہاں یہ جارحیت ہوئی ہے، کی غیر معمولی اہمیت کو پیش کرنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے اور آخر میں اُمتِ مسلمہ کو ان کا فرض یاد دلایا گیا ہے۔

اس مقام کی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے میں نے یہ قرار دیا ہے کہ صہیونیوں کا مزعومہ ہیکل کوئی مجرد دعویٰ نہیں بلکہ اس میں مسجدِ اقصیٰ کا انہدام ایک لابدی امر ہے کیونکہ ارضِ مقدس کو مسلم شعور سے کھرچنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ اگر ان کے پیش نظر مسجد

www.KitaboSunnat.com

اقصیٰ کا انہدام نہیں بلکہ محض ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہوتا تو اُنہوں نے یہ مزعومہ ہیکل موجودہ مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور نقطہ پر تعمیر کیوں نہیں کیا؟ جبکہ وہاں احاطہ قدس کے باہر بھی جگہیں خالی ہیں بلکہ مسجد اقصیٰ کے ماسوا اس احاطے میں بھی خالی مقامات اور اہم عمارتیں مثلاً قبہ صخرہ وغیرہ بھی موجود ہیں، ان کو چھوڑ کر عین مسجد اقصیٰ کے نیچے ہیکل کی موجودگی کا دعویٰ ہندوؤں کے اس دعوے کے مشابہ ہے جو وہ ہندوستان میں کئی مساجد کے حوالے سے کرچکے ہیں کہ وہ عین قدیم مندروں پر تعمیر کی گئی ہیں،ایسے دعوے کرنے والوں کے پیش نظر اپنے مرکز کی تعمیر کی بجائے دراصل دوسری قوم کی عبادتگاہ کو مسمار کرنے کا مکروہ عزم کارفرما ہوتا ہے۔

میرے اس اقتباس کا رجحان ہیکل کی تعمیر کے جواز اور اس کا محل ذکر کرنے کی بجائے عین مسجد اقصیٰ کے انہدام کے صہیونی ہدف کی مؤکد نشاندہی اور ان کے عزائم کو آشکارا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے مضمون کے آخر میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اس پورے احاطہ قدس پر استحقاق صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے۔ عجب بات ہے کہ ایک عبارت کو لکھنے والے کے مدعا کی بجائے، مضمون کی دیگر عبارتوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اور سیاق وسباق کے برعکس اپنے ذہن میں پہلے سے موجود نکتہ کو نہ صرف مقالہ نگار کا اصل دعویٰ قرار دے دیا جائے بلکہ موقف بھی بنا دیا جائے۔ مذکورہ اقتباس کی ترکیب سے بھی میرے موقف ہونے کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ یہ سارا اقتباس محض ایک الزامی مفروضہ ہے جس کی نشاندہی جملے کے آغاز میں درج لفظ 'اگر' کے ساتھ بھی ہورہی ہے۔

راقم کا تو یہ الزامی مفروضہ ہے جس کا ہدف بھی وہ ہے جو اوپر ذکر ہوچکا، جبکہ دوسری طرف آپ اس موقف کے پرزور داعی ہیں جس پر پہلے خط کے آخر میں الشریعہ: اپریل ۲۰۰۴ء میں شائع شدہ آپ کا اقتباس شاہد ہے۔آپ کے طویل شرعی موقف کی طرح ...... جس نے دردمندانِ ملت کے دلوں کو زخمی کیا ہوا ہے...... آپ کا 'ممکنہ حل' بھی معصومیت اور حقائق سے منہ موڑنے کی نادر مثال ہے۔آپ کو راقم کی تحریر کی تہہ میں چھپا ہوا اشتراک تو نظر آتا ہے، جس کی صریح نفی بھی ساتھ ہی موجود ہے لیکن راقم کے ذکر کردہ ۴۰ برس پر محیط وہ مسلسل صہیونی اقدامات دکھائی نہیں دیتے جو آپ کے 'ممکنہ حل' کا منہ چڑا رہے اور اسے کلیتًا ناقابل عمل

www.KitaboSunnat.com

بتارہے ہیں۔ میرا مضمون (جسے 'حالات کی رپورٹ اور تبصرہ' کہنا زیادہ بہتر ہوگا) آپ کے ممکنہ حل کی پوری قلعی کھول دیتا ہے۔

آپ ایک بار اپنے سلسلۂ مضامین کا تتمہ (بعنوان 'ممکنہ عملی حل') ملاحظہ فرمالیں اور پھر اس کا راقم کے مضمون سے تقابل کرلیں، تو آپ پر 'مزعومہ اشتراک' کی پوری حقیقت کھل جائے گی: ① آپ اُمتِ مسلمہ کی بجائے یہود کو مسجدِ اقصیٰ کا متولی قرار دیتے ہیں ② اور قبہ صخرہ یا اس کے اردگرد کو حقیقی مسجد اقصیٰ کا مصداق سمجھتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ موجودہ مسجد اقصیٰ جہاں حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی، مسلمانوں کی خودساختہ قرار پاتی ہے ③ جسے آپ خود ساختہ کہنے کی بجائے حقیقی مسجد اقصیٰ کے توسیعی حکم میں شامل ہونے کی توجیہ☆ فرماتے ہیں۔ قبہ صخرہ کو مسجد اقصیٰ کے حقیقی مصداق ہونے کی بنا پر آپ اسے یہود کو دینے کے پرزور داعی اس بنا پر ہیں کہ ④ آپ کے نزدیک اصل مسجد شرعاً یہود کی زیرتولیت ہی ہونی چاہئے۔ یاد رہے کہ آپ کے موقف کے یہ مرکزی نکات پوری مسلم اُمہ کے چودہ صد سالہ موقف بلکہ تعامل کے صریح مخالف گویا قرآنی اصطلاح میں 'سبیل المومنین سے انحراف' کے زمرے میں آتے ہیں۔

اب میرے مضمون کو دیکھئے، میں نے ان نظریاتی بحثوں کی بجائے موجودہ مسجد اقصیٰ پر صہیونیوں کے منفی اقدامات کو ذکر کیا ہے۔ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ یہود کا ۴۰ سالہ جارحانہ طرزِ عمل بھی آپ کی اس توجیہ اور 'ممکنہ حل' کی کسی طور تائید نہیں کرتا؟ چنانچہ یہاں پہنچ

☆ لیکن اس تاویل میں موجود تضاد کی طرف ان کی نظر نہیں گئی جو یہ ہے کہ اگر آپ کے نزدیک حقیقی مسجد اقصیٰ (قبہ صخرہ) مسلمانوں کی بجائے شرعاً یہود کے زیر تولیت ہے تو پھر اس کی توسیع (موجودہ مسجد اقصیٰ) کے احکام بھی وہی ہونے چاہئے جو اصل کو حاصل ہیں۔ آپ کی یہ دوہری منطق ناقابل فہم ہے کہ حقیقی مسجد اقصیٰ پر تو یہود کا استحقاق مانا جائے، البتہ جو توسیع مسلمانوں نے کی ہے، اس پر اُنہیں فرامین نبویؐ میں موجود فضائل کی نوید سنا دی جائے۔ اس پر طرہ یہ کہ حضرت عمرؓ کی تعمیر کو تسلیم کرنے سے تو گریز کیا جائے، البتہ اس تعمیر کی بنا پر حاصل ہونے والے نتیجہ پر اپنے شرعی موقف کی بنا رکھ لی جائے۔ اس تاویل سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ آپ کے پاس مسجد اقصیٰ کے فضائل پر نبی کریمؐ کے زمانہ میں ان کی بیان کردہ شرعی فضیلت حاصل کرنے کی کوئی عملی صورت بھی موجود نہیں تھی کیونکہ وہ توسیع تو ابھی مسلمانوں نے کی ہی نہیں تھی۔ ان توجیہات سے کہیں بہتر ہوتا کہ آپ پوری اُمت سے علیحدہ اپنے موقف پر نظر ثانی کرکے حقیقی مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کی تولیت کا موقف اپنالیتے ، لیکن افسوس کہ آپ نے ان فضائل کو مزید تاویل در تاویل میں اُلجھا دیا۔ **فیا للعجب !**

www.KitaboSunnat.com

کر آپ یہود کی بعض تحریروں کا سہارا لیتے ہوئے ان کے کھلے ظالمانہ طرزِ عمل سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ میرا آپ سے سوال ہے کہ اگر یہود قبہ صخرہ پر ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو

① ان کی تمام کوششیں مسجد اقصیٰ کو مسمار کرنے پر کیوں مرکوز ہیں، گذشتہ ۴۰ برسوں میں قبہ صخرہ یا کوئی اور مقام ان کی جارحیت کا نشانہ یا عزائم کا مرکز کیوں☆ نہیں ٹھہرا جبکہ آپ کے خیال میں یہود کے نزدیک یہی مقام مزعومہ ہیکل کا اصل مرکز ہے۔ یاد رہے کہ یہ قبہ بھی موجودہ مسجد اقصیٰ کی طرح مسلم خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان کا ہی تعمیر کردہ ہے کیونکہ علامہ ابن تیمیہؒ کی تصریح کے مطابق دورِ خلفائے راشدین میں صخرہ بیت المقدس محض ایک ننگی چٹان تھی۔

② صہیونیوں نے سرنگیں بھی مسجد اقصیٰ کے نیچے کھودی ہیں تاکہ وہ ازخود منہدم ہوجائے نہ کہ قبہ صخرہ کے نیچے۔ اگر ان کا ہدف قبہ صخرہ (آپ کے نزدیک: مزعومہ ہیکل کا مرکز) ہے تو ان کی جارحیتوں کا مرکز مسجد اقصیٰ کیوں ہے؟

③ یہود کے نزدیک مزعومہ ہیکل سلیمانی کی آخری یادگار (مزعومہ دیوارِ گریہ) بھی مسجد اقصیٰ کے بالکل متصل ہے جبکہ قبہ صخرہ تو اس سے کہیں فاصلے پر ہے۔اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہود موجودہ مسجد اقصیٰ کو ہی ہیکل سلیمانی کا مرکز سمجھتے ہیں نہ کہ قبہ صخرہ کو۔

④ یہود نے ۱۹۸۸ء اور ۱۹۸۹ء میں مسجد اقصیٰ میں ہیکل سلیمانی کا دوبار سنگِ بنیاد رکھا اور یہ دونوں مقام قبہ صخرہ سے کافی دور جبکہ موجودہ مسجد اقصیٰ سے ملحق تھے۔

⑤ صہیونیوں نے چار بار جس مقام کو بم سے اُڑانے کی کوشش کی، وہ مقام بھی مسجد اقصیٰ ہے نہ کہ قبہ صخرہ!

⑥ حالیہ شورشوں اور جارحیتوں کا مرکز باب المغاربة ہے جو موجودہ مسجد اقصیٰ کا براہِ راست دروازہ ہے، مزید برآں اسرائیلی تسلط کے فوراً بعد ۱۹۶۷ء میں اس سے ملحق محلّہ حي المغاربة ہی صہیونی جارحیتوں کا مرکز بنا تھا، یہ شورشیں کبھی قبہ صخرہ کے براہِ راست

☆ یہاں جس انداز میں قبہ صخرہ وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، راقم کے مضمون میں پہلے بھی اسی سیاق میں اس کا تذکرہ تھا، اس سے یہ مفہوم نکالنا کہ قبہ صخرہ پر جارحیت کی ترغیب یا اس پر یہود کے حق تولیت کی راہ دکھائی جارہی ہے، کلام کے مدعا سے صریح تجاوز ہے۔ کیونکہ راقم مسجد اقصیٰ کے علاوہ تمام احاطہ قدس پر بشمول قبہ صخرہ مسلمانوں ہی کا استحقاق سمجھتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

دروازوں اور محلوں پر نہیں ہوئیں۔ایسے ہی حالیہ جارحیت کا مقصد بھی اسی جنوب مغربی حصہ کو ہی مسمار کرنا ہے۔اس سے بھی بخوبی یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہودی مسجد اقصیٰ ہی کو نعوذ باللہ مسمار کر کے وہاں اپنا خودساختہ ہیکل بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

⑦ سب سے بڑھ کر یہ کہ ۱۱/اپریل ۲۰۰۵ء کو ایریل شیرون نے واشنگٹن میں جو منصوبہ امریکی حکومت کو پیش کیا ہے اور امریکی حکومت نے اس کی تائید کی ہے، وہ مسجد اقصیٰ کے مقام پر ہیکل کی تعمیر کا ہے، نہ کہ قبہ صخرہ کی جگہ پر۔ان کا منصوبہ ہے کہ وہ احاطہ قدس کو مسلمانوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں یعنی جنوب مغربی حصہ (موجودہ مسجد اقصیٰ) پر اپنے ہیکل کی تعمیر اور قبہ صخرہ کو مسلمانوں کے لئے چھوڑ دینا۔

مذکورہ بالا نکات کے بعد پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ یہود قبہ صخرہ پر ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اور وہ اسے ہی قدیم مسجد اقصیٰ کا مصداق تصور کرتے ہیں، اور یہی آپ کی نظر میں ممکنہ حل بھی ہے (جس میں آپ مجھے بھی اپنے تئیں شریکِ جرم ٹھہرا رہے ہیں)؛ زمینی حقائق، ۴۰ سالہ واقعات اور اسرائیلی سرکاری منصوبوں سے نہ تو اس دعوے کی کسی طور تائید ہوتی ہے اور نہ ہی یہ کوئی قابل عمل حل قرار پاتا ہے۔اس کے بعد برادر موصوف کی یہ بے جا معصومیت ہے کہ وہ مسلم امہ کے حق اور زمینی حقائق سے بے پروا ہوکر، ان غیروں کے حق کی جستجو میں اپنی اور دوسروں کی صلاحتیں کھپا رہے ہیں جن کی مسلم دشمنی پر قرآنِ کریم میں کئی آیات شاہد ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اپنے مضامین کے آغاز میں انہوں نے مسلمانوں کو اخلاقیات کا درس دیتے ہوئے اپنے سارے استدلال کی بنیاد قانون کی بجائے اخلاقیات پر استوار کی ہے۔لیکن اسرائیل کے فلسطینیوں سے ظالمانہ رویہ سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان کے پورے مضمون میں اخلاقیات کا یہ وعظ کہیں یہود کے لئے دکھائی نہیں دیتا۔

مجھے بخوبی احساس ہے کہ ایک حساس علمی اور تاریخی موضوع کے نتائج کو دلائل و حقائق سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جس طرح میں نے قارئین کی غیر معمولی استعداد کے سہارے پر ذکر کردیا ہے، اس سے استفادہ کافی مشکل ہوگا۔لیکن برادرِ محترم نے ہی ایک ایسے مسئلہ میں مجھے اُلجھا کر جو ابھی مستقلاً موضوعِ بحث نہیں تھا، ہمیں اس مشترکہ اُلجھن سے دوچار کیا۔ان کا

www.KitaboSunnat.com

اپنے دعویٰ پر لگاتار اِصرار ہی اس تحریر کا باعث بنا ہے، وگرنہ میں اب بھی اس پوری بحث کو مستقل طور پر کتاب وسنت، تعامل صحابہؓ اور ائمہ اسلاف کے دلائل وبراہین سے مزین کرکے کسی اور موقعہ پر نکات وار تفصیلاً پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ واضح رہے کہ میرے اس مراسلے کا تمامتر دارومدار بھی حقائق وواقعات ہی ہیں نہ کہ شرعی استدلال! جناب عمار کو میری تحریر میں سے اپنے مطلوبہ نکات کشید کرنے کی بجائے میرے مرکزی استدلال پر اپنی توجہ صرف کرنی چاہئے۔ مذکورہ بالا واقعاتی تفصیلات میرے حالیہ مضمون میں موجود ہیں جس سے مزعومہ اشتراک کشید کرنے کی بجائے کہیں بہتر ہوتا کہ وہ اپنے 'ممکنہ حل' کا میرے پیش کردہ واقعات کی روشنی میں جائزہ لے لیتے تو اپنے موقف پر مجھے گھسیٹنے کی بجائے، اس درست موقف کی طرف رجوع کرلیتے جو صدیوں سے اُمت ِمسلمہ کا رہا ہے اور اپنے اس 'ممکنہ حل' پر بھی اِصرار نہ کرتے جس کی تردید یہود کے ۴۰ سالہ مسلسل عمل سے ہوتی ہے۔ واللہ الموفق!

جناب محمد عمار ناصر کا تیسرا خط

برادرم حافظ حسن مدنی صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ مزاجِ گرامی؟

میرے لیے یہ بات خوشی کا باعث ہے کہ آخرکار آپ کو اپنے اس اقتباس کی، جس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ آپ قبۃ الصخرۃ وغیرہ کی کوئی شرعی فضیلت واہمیت نہ ہونے کے باعث اُمت ِمسلمہ کے لیے اس کی تولیت کے دعوے دار نہیں ہیں، ایک تاویل سوجھ گئی ہے، یعنی یہ کہ یہ سارا اقتباس آپ کی حقیقی رائے کا ترجمان نہیں، بلکہ محض ایک 'مفروضے' پر مبنی تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس صورتِ حال میں قارئین بہترین منصف ہوتے ہیں، اس لیے میں مزید بحث میں اپنا اور آپ کا وقت ضائع کرنے کے بجائے یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس نکتے کا فیصلہ 'الشریعہ' اور 'محدث' کے قارئین پر چھوڑ دیا جائے۔

البتہ میں یہ ضرور واضح کرنا چاہوں گا کہ 'محدث' کی یہ روش نئی نہیں ہے۔ اس سے قبل جب میری رائے ۲۰۰۳ء میں پہلی مرتبہ 'الشریعہ' اور 'اشراق' میں شائع ہوئی تھی تو 'محدث' کے غالباً نومبر اور دسمبر ۲۰۰۳ء کے شماروں میں اس پر ایک 'بلند پایہ علمی تنقید' شائع ہوئی تھی۔ اس کی پہلی قسط میں 'فاضل' مضمون نگار نے موجودہ عرب زعما کے اس موقف کی پرزور تائید کی تھی کہ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کا تاریخ میں کبھی کوئی وجود نہیں رہا اور یہ محض ایک صہیونی

مفروضہ ہے، لیکن مضمون کی دوسری قسط میں، سابقہ رائے میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی تاثر دیے بغیر، اس کے بالکل برعکس یہ موقف سامنے آ گیا کہ حضرت سلیمان کی تعمیر کردہ مسجد اقصیٰ یعنی ہیکل سلیمانی پر یہود کا حق تولیت شریعتِ اسلامی کی رو سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ میں نے ایک خط میں مضمون نگار سے دریافت کیا تھا کہ اگر ہیکل سلیمانی کا کبھی کوئی وجود ہی نہیں تھا تو شریعتِ اسلامی نے یہود کا حق تولیت آخر کس چیز سے منسوخ کیا ہے؟ تاہم انھوں نے اس کا کوئی جواب دینا پسند نہیں کیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ انھیں ازخود اپنے پہلے موقف کے ناقابل دفاع ہونے کا احساس ہوا اور انھوں نے چپکے سے پینترا بدل لیا☆ یا ادارہ 'محدث' نے اعلیٰ صحافیانہ اخلاقیات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا موقف مضمون نگار کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ خط آپ کی دلچسپی کے لیے منسلک ہے۔

بہرحال اس سارے معاملے پر مجھے کوئی حیرت نہیں۔ آپ کے لیے 'عالم عرب' کے موقف سے کھلا اختلاف نہ کر سکنا پوری طرح قابل فہم ہے۔ میں آپ کے شرعی موقف اور اس کے دلائل پر مبنی مقالہ کا شدت سے منتظر رہوں گا۔

☆ اس بارے میں میری وضاحت میرے شرعی موقف والے مقالہ میں آ رہی ہے، کیونکہ حالیہ واقعاتی بحث بلاوجہ طول پکڑتی جا رہی ہے۔ ان شبہات کی وضاحت اپنے صحیح محل پر ہی کی جائے گی۔ ان شاء اللہ (ح۔م)

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں

مولانا محمد اسحٰق بھٹی

علم و عمل کا ایک چراغ اور بجھا !

مدینہ منورہ یونیورسٹی کے اُستاذِ حدیث اور نامور علمی، تحریکی
اور تدریسی شخصیت مولانا عبدالغفار حسن رحمانی کا سانحۂ ارتحال

خاندانِ عمرپور کے چشم و چراغ اور ہندوپاک میں علم حدیث کی ترویج و فروغ کے ایک عالی دماغ، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی عمرپوریؒ ۹۳ برس آٹھ ماہ کی بھرپور زندگی گزار کر جمعرات ۲۲ مارچ کی صبح اسلام آباد میں انتقال کر گئے۔ تعلیم و تعلّم کے اعتبار سے اُنہوں نے دار الحدیث رحمانیہ، دہلی سے سندِ فراغت حاصل کی۔ پاکستان ہجرت کرنے سے قبل بنارس اور مالیرکوٹلہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ پاکستان پہنچ کر جماعت ِاسلامی کی صف اوّل کی قیادت میں اہم کردار ادا کیا۔ خاص طور پر جماعت کے شعبۂ تربیت کو استحکام بخشا اور اس مقصد کے لئے 'انتخابِ حدیث' سے موسوم ایک مجموعہ حدیث ترتیب دیا۔ ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدگی کے بعد دوبارہ درس و تدریس کی مسند سنبھالی۔ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، جامعہ سلفیہ اور مدرسہ دارالقرآن والحدیث، فیصل آباد اور دار الحدیث رحمانیہ، کراچی میں علم حدیث کی شمعیں روشن کیں۔ ۱۹۶۴ء میں اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ کی استدعا پر حجاز منتقل ہوگئے اور پھر مذکورہ جامعہ میں اٹھارہ سال دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ ۱۹۸۲ء میں پاکستان واپسی کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے نو سال تک ان تمام مسائل میں اپنی بصیرت افروز آرا سے نوازا جو کونسل کو اسلامی قوانین کی تدوین کے سلسلہ میں بھیجے جاتے تھے۔ علوم حدیث پر اُن کے مقالات کا ایک مجموعہ 'عظمتِ حدیث' کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ قرآن اور حدیث سے متعلق متعدد مقالات کتابچوں کی شکل میں طبع ہوتے رہے ہیں اور ایسے ہی وہ دروسِ قرآن بھی جو انہوں نے مدینہ منورہ، جدہ اور پھر

پاکستان کے کئی شہروں میں دیئے۔ جماعتِ اسلامی سے وابستگی کے دوران مشرقی پاکستان اور پھر اپنے صاحبزادے ڈاکٹر صہیب حسن کی دعوت پر کینیا اور پھر انگلینڈ کا بھی دورہ کیا۔ رفیقۂ حیات پندرہ سال قبل اسلام آباد ہی میں وفات پا چکی تھیں۔

پسماندگان میں ایک بیٹی اور سات بیٹے شامل ہیں اور پھر ان کے توسط سے اپنی زندگی میں پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں کی ایک کثیر تعداد کو دیکھا اور جس طرح ان کی آبائی دو پشتیں علم وعمل کے لحاظ سے روشنی کا مینار تھیں، ویسے ان کی اگلی دو نسلیں درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور دعوت وتبلیغ میں کوشاں ہیں۔ ان کی نمازِ جنازہ میں اقربا اور احباب کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ جمعتہ المبارک ۲۳/مارچ ۲۰۰۷ء کو صبح دس بجے اسلام آباد میں ان کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر صہیب حسن نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد چھوٹے صاحبزادے ڈاکٹر سہیل حسن نے مسنون دعا کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور اپنے کرم ورحمت سے جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین!

مولانا عبدالغفار حسن ۲۰/جولائی ۱۹۱۳ء کو اپنے آبائی وطن عمرپور میں پیدا ہوئے۔ صغرسنی میں ہی دادا، والد اور والدہ یکے بعد دیگر ایک ہی سال (۱۹۱۶ء) میں وفات پا گئے۔ صرف دادی بقیدِ حیات تھیں، انہی کی تربیت، کوشش اور دعاؤں سے حصولِ علم کی مختلف منزلیں طے کیں اور اللہ تعالیٰ نے سعی وعمل کے ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائی۔ اس اولوالعزم خاتون نے ۱۹۲۸ء میں وفات پائی۔ اللھم اغفرلھا وارحمھا!

مولانا عبدالغفار حسن نے حصولِ علم کے سفر کا آغاز دہلی کی درس گاہ 'دارالہدیٰ' سے کیا جو وہاں کے محلّہ کشن گنج میں واقع تھی۔ اس درس گاہ میں ان کے دادا مولانا عبدالجبار عمرپوری، والدِ مکرم مولانا حافظ عبدالستار عمرپوریؒ اور دیگر متعدد اساتذہ کرام علما وطلبا کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتے رہے تھے۔ اس کے بعد دارالحدیث، کلکتہ اور دارالحدیث رحمانیہ، دہلی میں حصولِ علم میں مشغول رہے۔ سندِ فراغت دسمبر ۱۹۳۳ء میں دارالحدیث، رحمانیہ سے لی۔ اساتذۂ کرام میں مولانا فضل الرحمٰن غازی پوری، حضرت مولانا احمد اللہ دہلوی، مولانا عبدالرحمٰن نگرنہسوی،

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد سورتی اور مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری شامل ہیں۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ (صاحب تحفۃ الاحوذی) سے بھی جزوی طور پر استفادے کے مواقع میسر آئے۔ رحمهم الله تعالىٰ رحمة واسعة !

اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب (عربی) کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ پھر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ یہ مراحل طے ہونے کے بعد ان کا قافلۂ عمل وسعی جن جن منزلوں سے گزرا، اس سے آگاہی کے لئے ان کی کتاب 'عظمتِ حدیث' کا مطالعہ مفید ہوگا جس میں انہوں نے مختلف مراحل کا ذکر کیا ہے۔ اس کی بعض تفصیلات ۱۹۹۴ء کے ہفت روزہ 'الاعتصام' کے متعدد شماروں اور اس انٹرویو میں بھی ہیں جو ان سے خالد سیال صاحب نے کیا اور دسمبر ۱۹۹۶ء کے ماہنامہ 'شہادت' اسلام آباد میں چھپا۔ مثلاً

* ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۲ء تک سات سال مدرسہ رحمانیہ، بنارس میں تفسیر و حدیث، ادب عربی اور دیگر علومِ عربیہ واسلامیہ کی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔
* ۱۹۴۲ء کے اگست میں مشرقی پنجاب کے شہر مالیرکوٹلہ چلے گئے۔ مئی ۱۹۴۸ء تک (چھ سال) وہاں کے مدرسہ کوثر العلوم میں ان کی تدریسی سرگرمیاں جاری رہیں۔ یہ وہاں کی انجمن اہل حدیث کا مدرسہ تھا۔ وہاں کی جامع مسجد اہل حدیث کی خطابت بھی ان کے ذمے تھی۔

مولانا عبدالغفار حسن تین بار مولانا مودودی کی حیات میں جماعت اسلامی کے قائم مقام امیر بھی بنائے گئے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ تحفظ ختم نبوت کے زمانے میں گرفتار ہوئے اور گیارہ مہینے جیل میں رہے۔ کئی سال سیالکوٹ، راولپنڈی، کراچی، ساہیوال اور لائل پور (فیصل آباد) وغیرہ شہروں میں ان کا سلسلۂ درس وتدریس جاری رہا۔

اکتوبر ۱۹۶۴ء میں بغیر کسی درخواست کے اسلامی یونیورسٹی مدینہ طیبہ سے تدریس کے لئے دعوت آئی۔ ۱۹۸۰ء تک سولہ سال وہاں حدیث، علومِ حدیث اور اسلامی عقائد پر محاضرات (لیکچرز) دیتے رہے۔ اس طویل عرصے میں ایشیا، افریقہ، امریکہ، یورپ اور اسلامی ملکوں کے بے شمار علماء وطلبا نے ان سے استفادہ کیا۔ شریعت کالج، اُصولِ دین کالج، حدیث کالج وغیرہ

www.KitaboSunnat.com

جو مدینہ یونیورسٹی کے ماتحت ہیں، ان کالجوں میں ان کے محاضرات اور تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ان کالجوں میں دنیا کے مختلف ممالک کے طلبا تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ وہ سب مولانا کے اندازِ تدریس اور اُسلوبِ تفہیم سے مطمئن تھے۔ اُنہوں نے مولانا سے خوب فیض حاصل کیا۔

۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۵ء تک فیصل آباد کی جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں طلبا کو صحیح بخاری پڑھاتے رہے۔ اس کے علاوہ علومِ اسلامیہ کی بعض دوسری کتابوں کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

۱۹۸۱ء ہی میں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مقرر کئے گئے۔ کئی سال اس کونسل کے رکن رہے اور اس اثنا میں کتاب وسنت کی روشنی میں بہت سے اہم دینی مسائل کو موضوعِ تحقیق بنایا، جس کی تفصیل کونسل کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

مولانا ممدوح ۱۹۹۰ء سے مستقل طور پر اسلام آباد میں اقامت گزیں رہے۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ان کی حیاتِ مستعار کا زیادہ تر حصہ درس وتدریس میں گزرا، اس لئے تصنیفی کام کے لئے وقت نہیں نکال سکے۔ چند چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے یا بعض اخباروں میں کچھ مضامین شائع ہوئے۔ ایک طویل مضمون 'ہندوستان کے دینی مدارس' کے عنوان سے 'الاعتصام' میں شائع ہوا۔ یہ قسط وار مضمون تھا جو 'الاعتصام' کے یکم اپریل ۱۹۹۴ء کے شمارے سے شروع ہوا اور ۲۷ جنوری ۱۹۹۵ء تک چھپتا رہا۔ درمیان میں کچھ تعطل بھی رہا۔ مختلف مدارس وشخصیات کے متعلق ان کا یہ تاثراتی اور مشاہداتی مضمون ہے جو بہت سی معلومات پر مشتمل ہے اور بڑا دلچسپ ہے۔ ماہنامہ 'محدث' لاہور میں بھی ۲۰۰۱ء میں تفسیر قرآن پر آپ کا سلسلۂ مضامین شائع ہوتا رہا، جس میں اچھوتے تفسیری نکات پیش کئے جاتے۔

ان کی ایک کتاب 'عظمتِ حدیث' ہے جو تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر محیط ہے۔ یہ کتاب حدیث اور علومِ حدیث کے تعارف اور حدیث کی حجیت واستناد کے موضوع پر ہے۔ اتنی ضخیم ان کی صرف یہی کتاب ہے۔ ایک چھوٹا سا رسالہ 'معیاری خاتون' کے نام سے موسوم ہے، چند اور رسائل بھی ہیں۔

> آئندہ شمارہ میں مولانا کے حالاتِ زندگی کے لئے ان کے فرزند ڈاکٹر صہیب حسن کے قلم سے تفصیلی مضمون ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاءاللہ

www.KitaboSunnat.com

File
:\Muh.bm
not

عیدمیلا دالنبی ﷺ کے حوال سے دوسوال

محسنِ انسانیت ﷺ کی پیدائش ربیع الاوّل میں ہوئی جس کے معنی ہیں ’موسم بہار کی پہلی بارش‘۔ جس طرح بارش سے مردہ زمین سرسبز وشاداب ہوجاتی ہے، اسی طرح آپؐ کی تشریف آوری سے مردہ دِلوں کوتروتازگی نصیب ہوئی۔ ظلم و جور کرنے والے عدل وانصاف کے داعی اورکفر وشرک کی تاریکی میں غرق رہنے والے شمعِ توحید کے پروانے بن گئے۔

❶ سوموار کو آپؐ کی پیدائش کے بارے میں مؤرخین کا عام طور پر اتفاق ہے۔ لیکن ربیع الاوّل کی کس تاریخ کو آپؐ پیدا ہوئے، اس بارے میں محققین کا اختلاف ہے۔ ابوالفدا حافظ ابن کثیر نے یہ تاریخ ۱۰ ربیع الاوّل بتائی ہے جبکہ طبری اور ابن خلدون نے ۱۲ ربیع الاوّل لکھی ہے۔ مولانا ادریس کاندھلوی نے زرقانی کے حوالے سے ۸ ربیع الاوّل بتائی ہے۔ سلیمان منصور پوری نے ماہرین فلکیات کے حسابی دلائل کو مدنظر رکھ کر ۹ ربیع الاوّل لکھی ہے۔ مؤرخین کا ایک تاریخ پر اجماع ثابت نہیں ہے؛ اس میں کیا حکمت ہے؟ یہ بھی ایک سوال ہے جو حل طلب ہے......!

❷ صحابہ کرامؓ کو خاتم النّبیین ﷺ سے جو محبت وعقیدت تھی، وہ اظہر من الشّمس ہے۔ صحابہ آپؐ کی اطاعت واتباع پر مر مٹنے والے تھے۔ حتیٰ کہ اُنہوں نے آپؐ سے کہا کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپؐ کو سجدہ کریں تو ہادیٔ برحق نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ ’’اگر اللہ کے سوا اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو کہتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔‘‘ لیکن اس سب محبت، عقیدت اور آپؐ کی ہر اَدا پر مٹنے کے باوجود کسی صحابی سے یہ سوال منقول نہیں ہے کہ حضورؐ! ہم آپؐ کی پیدائش کے دن کو کیسے منایا کریں؟ اور نہ ہی خلفاے راشدینؓ کے دور میں ایسی کوئی کاوش نظر آتی ہے۔ شاید اس لئے کہ یہ سب حضرات اس بات کو سمجھتے تھے کہ سیرت منانے کی نہیں بلکہ عمل کرنے کی چیز ہے یا پھر شاید کوئی اور وجہ تھی جس کے باعث صحابہؓ کی زندگی اس استفسار اور کاوش سے خالی نظر آتی ہے۔ بہرحال ایسا کیوں تھا؟ یہ بھی ایک سوال ہے جو حل طلب ہے......!

(عطا محمد جنجوعہ، سرگودھا)

LRL No. 183
Vol.39 NO.4
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ــــــــــ زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700